غربت اور دہشت گردی؟
ایلن بی کروگر
ترجمہ: جنید احمد
مشعل

غربت اور دہشت گردی

ایلن بی کروگر

ترجمہ: جنید احمد

مشعل

آر بی ۵، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن

لاہور۔54600، پاکستان

غربت اور دہشت گردی

ایلن بی کروگر

ترجمہ: جنید احمد

ناشر: مشعل بکس
آر بی ۵، سیکنڈ فلور،
عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور۔ 54600، پاکستان
فون و فیکس: 042-35866859
E-mail: mashbks@brain.net.pk
http://www.mashalbooks.org

فہرست

دیباچہ

یہ کتاب ان تین لیکچروں کو بنیاد بنا کر میں نے تحریر کی ہے، جو میں نے فروری 21 تا23، 2006ء میں اپنے لندن میں قیام کے دوران دیے تھے۔ یہ لیکچر لندن سکول آف اکنامکس اینڈ پولیٹیکل سائنس میں دیے گئے اور یہ لائینل رونبز میموریل لیکچر سیریز کا حصہ تھے۔

یہ لیکچر دہشت گردی کے موضوع پر تھے جو اس وقت بلکہ اب بھی دنیا بھر میں زیر بحث ہے۔ مجھے لارڈ رچرڈ لیارڈ نے اس کے لیے لندن مدعو کیا تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ میں یہ لیکچر تعلیمی معاشیات پر دوں۔ میں تعلیمی معاشیات پر اس وقت تک اتنا کام کر چکا تھا کہ جس سے ایک کتاب بہ آسانی لکھی جا سکتی تھی اور اب میں دہشت گردی پر تحقیق کر رہا تھا لہٰذا میری یہ خواہش تھی کہ میں اپنے یہ لیکچر دہشت گردی کے موضوع پر دوں اور دنیا کے سامنے اس کے اسباب و نتائج لاؤں۔ ہم دونوں اس بات پر رضا مند ہو گئے تھے کہ میں اس موضوع پر مزید سوچوں گا۔ پھر 7 جولائی 2005ء کو برطانیہ میں دہشت گردی کا ایک نہایت ہولناک حادثہ ہوا۔ اس روز چار نوجوانوں نے مرکزی لندن میں زیرزمین ریل گاڑیوں اور ایک بس میں بم سے حملے کیے۔ اس کے نتیجے میں 52 لوگ مارے گئے اور 700 کے قریب لوگ زخمی ہوئے۔ یہ حملے سپین کے میڈرڈ حملے جو 11 مارچ 2004ء اور جولائی 2005ء میں کئے گئے تھے اور 9/11 کے بعد ہولناک اور خوفناک ترین کہے جا سکتے ہیں۔ ہم نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میرے لیکچر دہشت گردی کی معاشیات کے بارے میں ہونگے۔ ہر رات ''اولڈ تھیٹر'' سامعین سے بھرا ہوتا اور اور لوگ بڑے خیال آفرین اور مثبت سوالات کرتے۔

دہشت گردی پر میری تحقیق کے مطابق یہ ضروری نہیں کہ دہشت گرد یا تخریب کار غریب اور ان پڑھ ہوں اور اس نکتے کو لندن میں دہشت گردی کے واقعات نے ثابت کر دیا تھا کیونکہ یہاں پڑھے

لکھے نو جوان جن کا تعلق مڈل کلاس سے تھا، ان میں ملوث تھے۔ ان کا تعلق پاکستان اور جمیکا کے ان خاندانوں سے تھا جو لیڈز اور ایلس بری میں مدتوں سے رہائش پذیر تھے۔ میرے سامعین اب اس بات سے متفق نظر آئے کہ دہشت گردی کا تعلق غربت یا جہالت سے ہونا ضروری نہیں۔ میرے ان لیکچروں کا موضوع تھا۔ ''بین الاقوامی دہشت گردی: اسباب اور نتائج'' اس دوران میں نے روایات اور انفرادی واقعات وقصوں سے آگے کی بات کی۔ میری کوشش یہ رہی کہ میں دہشت گردی کی ٹھیک ٹھیک ایک تصویر سامعین کے سامنے لاؤں۔ میں نے اس بات کو چیلنج کے طور پر لیا کہ لوگوں کے سامنے اصل حقائق اور اسباب لائے جائیں۔

رونبز میموریل لیکچر کے تحت لوگوں سے خطاب کرنا میرے لیے ایک اعزاز کی بات تھی۔ اس کے تحت بڑے بڑے سکالرز ماضی میں لیکچر دیتے رہے ہیں، امرتیا سین، لارنس سمرز، پیڈرو آسپ، رابرٹ منڈل وغیرہ۔ میں کبھی بھی لائینل رونبز سے نہیں ملا البتہ میں ان کے کام سے بہت متاثر ہوں۔ مجھے ان کے بچوں سے ملنے کا اتفاق اسی دوران ضرور ہوا، انہوں نے میری بہت عزت کی۔

اس کتاب میں دی گئی تحقیق کے دوران میری بہت سے لوگوں نے رہنمائی کی۔ کلارا اینڈرسن ایلی نور کوہلی' اوی ناش کشور' ریان کلی یان اور کیتھی رسل نے تحقیق کے دوران میری پوری مدد کی۔ دو مصنفین، ڈیوڈ لیٹن اور جٹکا میلی کووا جو میرے پہلے معاونین تھے' کا میں بہت شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے بہت قیمتی مشوروں سے نوازا جب میں اس کتاب کو دوبارہ لکھ رہا تھا۔ اس کے علاوہ میں پرنسٹن یونیورسٹی پریس اور ان کے ایڈیٹوریل سٹاف کا بے حد مشکور ہوں جن کا تعاون ایک خوبصورت کتاب کی شکل میں سامنے آیا ہے۔

تعارف

9/11 کے بعد پالیسی ساز، عالم حضرات اور عام شہری ایک بنیادی سوال کرتے نظر آئے: انہوں نے ہم پر حملہ کیوں کیا؟ وہ کونسی بات ہے جس سے انہوں نے ہمیں تباہ کرنے میں اپنی جانوں کی بھی پرواہ نہ کی۔ مختصراً یہ لوگ پوچھ رہے تھے: دہشت گرد کیسے بنتا ہے؟

اگر چہ اس سوال کا جواب بہت پیچیدہ ہے اور یقیناً اس کا جواب ہر کیس اور واقعے کے حساب سے مختلف ہوسکتا ہے۔ بہت سے لوگ یہ کہتے دکھائی دیے: معاشی مسائل، تعلیم کی کمی لوگوں کو دہشت گرد بنا دیتی ہے۔ اس بات سے سابق امریکی صدر جارج بش اور سابق برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیر بھی متفق تھے۔ ان کے علاوہ کئی ایک مذہبی سکالروں اور دانشوروں کا بھی یہی خیال تھا۔

لہٰذا غربت، تعلیم کی کمی، سیاسی انتہا پسندی اور دہشت گردی میں یہ بیان کردہ تعلق اعلیٰ حکام کے خیالوں میں رچ بس گیا ہے۔ وہ اعلیٰ حکومتی عہدے دار جو اب ریٹائرڈ ہو چکے ہیں اور اپنی پارٹی کے لیے بھی اب کچھ نہیں کر رہے، اب تک اسی خیال کے حامی ہیں۔

مثال کے طور پر رچرڈ آرمی ٹیج، جو ڈپٹی سیکرٹری آف سٹیٹ (2001ء - 2005ء) رہے ہیں، نے ''نیویارک ٹائمز'' میں دہشت گردی کے حوالے سے اپنے ایک مضمون میں پاکستان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ''جنرل مشرف نے باور کرا دیا ہے کہ وہ دہشت گردی سے نبٹنے میں سنجیدہ ہیں اور وہ اس کے اصل اور بنیادی اسباب کو ختم کرنا چاہتے ہیں، تعلیم اور معاشی ترقی سے۔(1)

مسلم کمیونیٹی جو برطانیہ میں رہائش پذیر ہے کے 39 اماموں اور علما نے ایک بیان پر دستخط کیے جس

میں یہ کہا گیا تھا ''7 جولائی 2005 کا المیہ ہم سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم سب مل کر ''اسلام اوفوبیا'' کے مسائل کا مقابلہ کریں۔ ہم تعصب، بے روزگاری، معاشی محرومیوں اور ان معاشرتی مسائل جیسے عوامل کو ختم کرنے کے لیے جدوجہد کریں جو ہمارے نوجوانوں کو مایوسی کا شکار بنا کر انتقام پر اکسا رہے ہیں۔'' رون ولیمز کینٹر بری کے آرچ بشپ نے دہشت گردی کو معاشی کمزوریوں کا نتیجہ بتایا۔ رون ولیمز نے مائیکرو لونز پر اپنی تحقیق کے لیے 2006ء کا نوبل انعام حاصل کیا۔ انعام حاصل کرنے کی تقریب میں انہوں نے یہ بات کی۔ اسی طرح سے بنگلہ دیش کے ماہر معاشیات محمد یونس نے دہشت گردی کو ختم کرنے کے لیے وسائل کو غریب لوگوں کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے استعمال میں لانے پر زور دیا۔

اگرچہ یہاں پر معاشیات اور تعلیم کی کمی جیسے عوامل کو دہشت گردی کی بہت بڑی وجوہات کہا جاتا ہے، اس کے علاوہ ایک اور بات بھی کہی جا رہی ہے: ''یہ ہمارے طرز زندگی سے نفرت کرتے ہیں۔'' تاہم یہ ساری کی ساری وضاحتیں مفروضات، عقائد اور خیالات پر مبنی ہیں انہیں کوئی بھی سائنسی و منطقی توجیہہ حاصل نہیں۔

وہ لوگ جو بے روزگار ہیں یا کم اجرت پر کام کر رہے ہیں انہیں کم کم ہی سیاسی یا احتجاجی تحریکوں میں حصہ لیتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ اپنے حالات کی وجہ سے ان کا غصے میں آنا ایک قدرتی بات ہے مگر زیادہ تر یہی دیکھا گیا ہے کہ یہ لوگ صرف زبانی کلامی احتجاج تک ہی محدود رہتے ہیں۔ ہماری دنیا کی نصف سے زیادہ آبادی 2 ڈالر سے بھی کم پر اپنا دن گزارتی ہے۔

دنیا میں اس وقت ایک بلین سے زیادہ لوگ ایسے ہیں جن کی تعلیم صرف پرائمری تک ہے یا اس سے بھی کم اور 785 ملین بالغ لوگ اس وقت بالکل ان پڑھ ہیں۔ اگر غربت اور بے روزگاری دہشت گردی کا باعث ہوتے تو دنیا ان دہشت گردوں سے بھری ہوتی جو ہماری زندگی اور نظام کو برباد کرنے پر کمر بستہ ہوتے مگر حقیقت اس کے برعکس ہے اور یہاں پر رچرڈ آرمی ٹیج اور کئی دوسروں کا یہ نکتہ کہ غربت اور جہالت دہشت گردی کی سب سے بڑی وجوہات ہیں غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ غریب اور ان پڑھ لوگ خاص طور پر سیاسی تحریکوں سے دور رہتے ہیں۔

حکومتی اور دیگر علمی و تحقیقی سطح پر کی جانے والی تحقیق سے بات سامنے آئی ہے کہ دہشت گرد پڑھے لکھے، مڈل کلاس طبقے یا امرا کی کلاس سے تعلق رکھ سکتے ہیں۔ کئی ایک جو اس مسلے پر تحقیق میں مشغول ہیں

کا بھی یہی خیال ہے کہ غربت کا دہشت گردی سے بہت کم تعلق ہے۔مثال کے طور پر 9/11، (نائن الیون) کے واقعے پر سامنے لائی گئی کمیشن رپورٹ کے مطابق ''دہشت گردی کی وجہ غربت نہیں۔''
(کمیشن رپورٹ 2004ء صفحہ نمبر 378) مگر اس کے باوجود ابھی تک زیادہ تر یہی کہا جا رہا ہے کہ دہشت گردی کی سب سے بڑی وجہ غربت ہے۔

اس عام غلط فہمی کے پیچھے کئی ایک مخفی وضاحتیں موجود ہیں کہ دہشت گرد ہم پر اس لیے حملہ آور ہوتے ہیں کیونکہ وہ غریب اور ان پڑھ ہیں، ان کے لیے زندگی میں کچھ نہیں اور یہ مغرب سے اس بنا پر نفرت کرتے ہیں کہ وہاں لوگوں کے پاس سب کچھ ہے۔نظریاتی سطح پر ماہرین معاشیات کی یہ سوچ ہے کہ وہ لوگ جو کم اجرت پر کام کرتے ہیں ان کے جرائم کی طرف راغب ہونے کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔مگر دہشت گردی اور ان جرائم جن کا تعلق پراپرٹی وغیرہ سے ہوتا ہے، میں بہت فرق ہے۔

زیادہ تر دہشت گرد پراپرٹی یا مال و دولت کے پیچھے نہیں ہوتے اگر ایسا ہوتا تو خودکش حملوں کی کیا ضرورت تھی۔اگر وہ زندہ ہی نہیں رہیں گے تو دولت کس کام کی؟ اس کی بجائے یہ دہشت گرد اپنے مخصوص سیاسی عقائد جن پر ان کا اندھا اعتقاد ہوتا ہے سے تحریک حاصل کرتے ہیں۔مغرب کو اکثر نشانہ بنایا جاتا ہے— اس لیے نہیں کہ مغرب میں دولت ہے، اس لیے کہ مغرب بااثر ہے اور دہشت گردی کی کامیابی کے مواقع یہاں زیادہ ہیں کیونکہ یہاں جمہوریت ہے، بہ نسبت ان علاقوں یا ممالک کے جہاں مطلق العنانیت ہے۔

عام چھوٹے موٹے سٹریٹ کرائمز کے بجائے ہم ووٹنگ پر توجہ دیتے ہیں۔اب ہونا تو یہ چاہیے کہ وہ لوگ جو بہت پڑھے لکھے ہیں اور جن کے پاس اچھی ملازمتیں ہیں ان کے پاس ووٹ دینے کے لیے وقت نہیں ہونا چاہیے مگر یہ لوگ ووٹنگ یا الیکشن میں حصہ لیتے ہیں کیوں؟ اس لیے کہ وہ اپنی رائے کا اظہار چاہتے ہیں اور سیاسی عمل میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔اسی طرح سے دہشت گرد بھی سیاسی مناظر پر اثر انداز ہونا چاہتے ہیں۔بجائے اس کے کہ ہم اس بحث میں پڑیں کہ کس کی تنخواہ اور مواقع کم ہیں۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے کہ دہشت گرد کیسے بنتے ہیں ہمیں پوچھنا چاہیے' کون مضبوط سیاسی عقائد رکھتا ہے اور کیا وہ اتنا بااعتماد ہے کہ اپنے عقائد اور نظریات کے لیے لوگوں کو مجبور کر سکے؟ زیادہ تر دہشت گرد وہ غریب نہیں ہوتے جن کے پاس کچھ نہیں ہوتا بلکہ یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں جو اپنے عقیدہ اور نظریے کے بارے میں اتنے جذباتی ہو سکتے ہیں کہ جان تک سے گزر جائیں۔

اگر پالیسی ساز اور عام لوگ دہشت گردی کے بارے میں غلط سوچ یا سمجھ رکھتے ہوں تو اس سے بہت فرق پڑتا ہے۔ اگر ہمیں اس کے خلاف ایک موثر حکمت عملی تیار کرنی ہے تو ہمیں یہ ضرور جاننا ہوگا کہ ان دہشت گردوں کو کون ایسا کرنے پر مجبور کر رہا ہے، وہ کیا عقائد یا نظریات ہیں جن کے زیر اثر یہ لوگ کام کر رہے ہیں۔ دہشت گرد صرف اس لیے ہم پر یا دیگر دنیا کے لوگوں پر حملے نہیں کرتے کہ وہ غریب ہیں بلکہ وہ جیو پولیٹیکل ایشوز کے خلاف اپنا ردِّعمل ظاہر کر رہے ہوتے ہیں۔ دہشت گردی اور دہشت گردوں کے بارے میں ناکافی یا غلط فہمی پر مبنی علم یا معلومات ہمیں ان کے خلاف موثر کارروائی سے روک دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ایک حکومت کسی ایسے سیاسی معاملے کے بارے میں جو عوام کے لیے مسائل کا باعث ہو پر لچک داری کا مظاہرہ نہ کرے تو اس بات کے چانسز ہیں کہ کوئی دہشت گرد تنظیم اس کے نتیجے میں پیدا ہو جائے۔ دہشت گردی کے اسباب جان کر ممالک اس کی بروقت روک تھام کر سکتے ہیں۔ بنیادی شہری حقوق کو دبا دینے سے بہت سے لوگ دہشت گردی کی جانب مائل ہو سکتے ہیں۔ دہشت گردوں کے بارے میں درست علم ہمیں کئی حادثات سے بچا سکتا ہے، ہم اس کو ختم کر کے معاشرے کو محفوظ بنا سکتے ہیں۔

جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں، اس کتاب کی بنیاد میرے وہ تین لیکچرز ہیں جو میں نے فروری 2006ء کو لائینل روبنز میموریل لیکچر سیریز کے سلسلے میں لندن سکول آف اکنامکس اینڈ پولیٹیکل سائنس میں دیے تھے۔ میں نے زیادہ تر معاشیات پر بات کی ہے اس میں میرا علم اور تجربہ بھی شامل ہے، اس کے علاوہ میں نے متعلقہ پولیٹیکل سائنس، نفسیات اور سوشیالوجی کے عوامل کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ اس کتاب کا نام (Enlisting Social Science in the War on Terrorism) رکھا جائے۔ مگر بعد میں میں نے اسے ایک سادہ سا نام (Terrorism) دے دیا۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ ہمیں ایک باقاعدہ، سائنسی و منطقی طریقے سے دہشت گردی کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے، خاص کر معاشی مسائل کی روشنی میں۔ پہلے لیکچر میں مائیکرو لیول پر دہشت گردی کا ذکر ہے یعنی انفرادی طور پر دہشت گردی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہاں میں نے دہشت گردی میں شریک افراد کے بارے میں بہت سارے اور مختلف ڈیٹا کا ذکر کیا ہے۔ محققین نے مقامی طریقوں کو استعمال میں لا کر دہشت گردوں، خودکش حملہ آوروں کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں۔ ان لوگوں کا موازنہ عام لوگوں سے کیا گیا ہے۔ بطور گروپ کے دہشت گرد اپنی سوسائٹی کے دیگر افراد سے زیادہ دولت مند اور

پڑھے لکھے ہوتے ہیں تاہم ان میں کچھ الگ باتیں بھی ہوتی ہیں۔ دہشت گردوں کا خاکہ بنانا یا ان کی تصویر کشی کرنا ایک مشکل کام ہے کیونکہ ہمارے پاس کوئی بھی اس سلسلے میں ایک مثالی خاکہ آج تک نہیں آیا۔ دہشت گرد تنظیمیں ایسے لوگوں سے کام لینے میں ماہر ہیں جن کا کوئی خاکہ یا تصویر حکام کے پاس پہلے سے موجود نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود ابھی تک اس بات کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں کہ دہشت گرد غریب اور ان پڑھ ہوتے ہیں۔

پہلے لیکچر میں ان لوگوں کی خصوصیات جو دہشت گردی میں شریک ہوتے ہیں کا ذکر کرنے کے علاوہ اس بارے میں لوگوں کی رائے سے بھی نتائج اخذ کیے گئے ہیں۔ دہشت گردی ایک معاشرتی سیاق و سباق سے تعلق رکھتی ہے۔ لوگوں کو دہشت گرد بنانے میں دوستوں، خاندان کے افراد، پڑوسیوں اور دیگر ساتھیوں کا ہاتھ ہوسکتا ہے۔ عوامی رائے پر مشتمل جائزے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ زیادہ پڑھے لکھے اور اچھے عہدوں پر فائز زیادہ انتہا پسند ہوتے ہیں اور وہ ان لوگوں کی نسبت جو اس معاملے میں خسارے میں ہوتے ہیں سے زیادہ دہشت گردی کے حمائتی ہوتے ہیں۔ آبادی کا وہ حصہ جو کم پڑھے لکھے، غریب اور پس ماندہ لوگوں پر مشتمل ہے حکومتی پالیسوں پر زیادہ تنقید نہیں کرتا۔ شاید اس وجہ سے کہ ان کے دماغ دیگر مسائل میں الجھے رہتے ہیں۔

انفرادی سطح پر حاصل کردہ مشاہدے سے ان لوگوں کا خیال بدل جانا چاہیے جو یہ کہتے آئے ہیں کہ دہشت گردی کا تعلق ان پڑھ اور غریب طبقے سے ہوتا ہے۔ مگر یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ دہشت گرد نامناسب اور ناقص اقتصادی و معاشی بحران سے بالکل لاتعلق نہیں ہوسکتے۔ یعنی معاشی مسائل سے دہشت گردی پیدا ہوسکتی ہے۔ یہ بات بھی ممکنات میں سے ہے کہ اعلیٰ طبقے کے کچھ لوگ اس بات سے دہشت گردی پر اتر آئیں کہ ان کے ملک کے لوگوں کے ساتھ ناانصافی کی جارہی ہے' انہیں مناسب مواقع نہ دے کر۔ دوسرے لیکچر میں اس پر بات کی گئی ہے۔ یہاں پھر اس بات کو زیادہ حمایت نہیں حاصل کہ دہشت گردی کی وجہ معاشی مسائل ہوسکتے ہیں۔ کئی معاشرتی و معاشی عوامل جیسا کہ ناخواندگی' بچوں کی شرح اموات اور جی ڈی پی کا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں جو دہشت گردی میں حصہ لیتے ہیں۔ اس کا ہمیں الٹ نظر آتا ہے اگر ایسا ہوتا تو غریب ممالک میں زیادہ دہشت گردی کے واقعات ہوتے جبکہ حقیقت میں یہ ہو رہا ہے کہ ایسے واقعات آپ کو مناسب یا درمیانی آمدن والے ممالک میں زیادہ ملتے ہیں۔

کچھ عوامل کی رو سے اس بات کا تسلسل سے اشارہ مل رہا ہے کہ اگر کسی ملک کے باشندوں کے بنیادی شہری حقوق سلب کر لیے جائیں مثلاً صحافت پر پابندی، تقریر و تحریر پر قدغن اور دیگر سیاسی حقوق وغیرہ تو وہاں کے لوگ دہشت گردی کی جانب مائل ہو سکتے ہیں۔ جب پر امن احتجاج سے کام نہ چلے تو حکومت سے ناراض طبقہ ہو سکتا ہے کہ دہشت گردی پر اتر آئے۔ مگر ہمارے پاس ایسے ممالک کی مثالیں موجود ہیں جہاں معاشی مسائل تو موجود ہیں مگر وہاں لوگوں کو سیاسی آزادی حاصل ہے اور ایسے ملک بھی موجود ہیں جہاں معاشی استحکام تو ضرور ہے مگر سیاسی آزادی بالکل نہیں جیسا کہ سعودی عرب۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صرف معاشی استحکام سے دہشت گردی کو ختم نہیں کیا جا سکتا ہے۔

یہ ایک اتفاقی بات تھی کہ میرے دوسرے لیکچر میں ان بیرونی جنگجوؤں کا تفصیلی تذکرہ اور تجزیہ موجود تھا جنہیں عراق میں گرفتار کیا گیا تھا۔ میں نے یہ لیکچر اس روز دیا جب عراق میں 22 فروری 2006ء کو العسکری گولڈن نامی مسجد کو بم کا نشانہ بنایا گیا۔ بہت سے لوگ اسے عراق کی جنگ کا ایک اہم موڑ قرار دیتے ہیں۔ اکتوبر 2006ء میں امریکی سنٹرل کمانڈ نے عراق کے بارے میں ایک چارٹ پر مشتمل خفیہ رپورٹ تیار کی۔ یہ رپورٹ لیک ہو کر ''نیویارک ٹائمز'' کے ہاتھ لگ گئی۔ اس رپورٹ کا نام ''Index of Civil Conflicts (Assessed)'' رکھا گیا تھا۔ اس چارٹ نما رپورٹ میں سامرا کے اس حملے سے پہلے کے دنوں کو سبز اور پیلے شیڈوں میں دکھایا گیا ہے جبکہ بعد کے دن جن میں وہاں بدترین نسلی و گروہی فسادات ہوئے سرخ اور نارنجی رنگوں سے ظاہر کیے گئے ہیں۔ میرے تجربے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بنیادی شہری حقوق کا عراق کے ہمسایہ ممالک میں نہ ہونا ان بیرونی حملہ آوروں کا عراق میں آنے اور بغاوت میں حصہ لینے کا باعث رہا تھا۔ یہاں معاشیات نہیں بلکہ مذہب کا عمل دخل زیادہ اہم تھا۔ یہ سارے بیرونی حملہ آور مسلمان تھے۔ ایک اور بات جو سامنے آئی اس کے مطابق سامرا کے واقعے سے قبل عراق میں شورش کی جڑ گھریلو یا ملکی مسائل تھے۔ دہشت گرد اپنے ٹارگٹ ملک میں خوف پھیلاتے ہیں، وہ اس ملک کی معاشیات کو نقصان پہنچاتے ہیں، لوگوں کی رائے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور حکومت کی پالیسیوں میں تبدیلی کا باعث بنتے ہیں۔ کیا وہ کامیاب رہتے ہیں؟

میرے تیسرے لیکچر میں دہشت گردی کے معاشی، نفسیاتی اور سیاسی نتائج کا ذکر ہے۔ اس لیکچر میں اس بات پر بھی بحث کی گئی ہے کہ میڈیا کو یہ لوگ کیسے استعمال میں لا رہے ہیں۔ کیسے میڈیا سنسنی پھیلا کر ان کے کام میں مدد دے رہا ہے۔

دہشت گردی کے معاشی نتائج پر بہت بحث کی گئی ہے۔ کچھ ماہرین معاشیات کے مطابق دہشت گردی معاشیات کے لیے بہت خطرناک ہوسکتی ہے جبکہ کچھ کے مطابق چند حالات کے تحت اس کے نتیجے میں مضبوط معاشی پیداوار ہونا ممکن ہے۔

یہاں ہم دو مشہور ماہرین معاشیات کے خیالات کا ذکر کررہے ہیں۔ ملٹن فریڈ مین نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل انٹرویو میں اس بات پر زور دیا تھا کہ عالمی معاشیات کے لیے سب سے بڑا خطرہ ''اسلام اوفاشزم'' اپنے دہشت گردی کے ہتھیار کے ساتھ ہے جبکہ دوسری جانب ایک اور ماہر معاشیات رابرٹ باروجس کا تعلق ہارورڈ سے ہے، نے ''بزنس ویک'' میں لکھا تھا کہ 11 ستمبر کے واقعے کا ایک مثبت پہلو یہ ہوسکتا ہے کہ شاید اس سے وہ قریب قریب معاشی مراجعت ختم ہوجائے جس کا امریکا کو سامنا ہے۔(2)

تیسرے لیکچر میں دہشت گرد حملوں سے پیدا شدہ معاشی مسائل و نتائج کا تجزیہ کیا گیا ہے اور اس کے بارے میں موجود ثبوت و شہادت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایک نتیجہ یہ اخذ کیا گیا ہے کہ دہشت گرد صرف اسی صورت میں کسی ملک کی معیشت پر اثر انداز ہوسکتے ہیں جب عوام اور ان کے لیڈر اوور ری ایکٹ کرتے ہیں۔ دہشت گردی کے معاشی مسائل کا نفسیاتی و سیاسی نتائج سے گہرا تعلق ہوسکتا ہے اور میڈیا سے بھی کیونکہ یہ جتنا مرضی خوفناک اور قابل نفرت عمل سہی یہ انسانی و مادی وسائل و ذرائع کو قائم رکھتی ہے یعنی یہ مکمل تباہی نہیں لاتی۔

کسی بھی مفروضے کو غلط ثابت کرنا' درست ثابت کرنے کی نسبت، کہیں زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ دہشت گردی کا اگر انفرادی سطح پر جائزہ لیا جائے تو اس کے شواہد و ثبوت زیادہ ملیں گے بہ نسبت اس کے کہ اگر اس کا جائزہ پورے معاشرے میں لیا جائے۔ دہشت گردوں کا موازنہ اس آبادی سے کرنا آسان ہے جس سے ان کا تعلق ہوتا ہے مگر اس معاشرے میں ان باتوں کا جاننا خاصا مشکل ہے جو ان کو دہشت گرد بناتی ہیں۔ یہی وجہ ہے شاید کہ تامل ٹائیگرز اور آئرش لبریشن آرمی کے بارے میں بہت کم معلوم ہوا ہے۔

دہشت گردی کے بارے میں تحقیق کرنے والوں کو اس مسئلے کا بھی سامنا رہتا ہے کہ دہشت گردی کے حملوں کے بارے میں ملکی سطح پر کسی بھی مسلسل ڈیٹا کی کمی ہے۔ یہاں پر ضرورت ہے کہ بین الاقوامی سطح پر ڈیٹا یا معلومات کی دستیابی تاکہ محققین بہ آسانی کام کرسکیں۔

دہشت گردی پر تحقیق بڑی تیزی سے ترقی کر رہی ہے۔ میں نے اس کتاب کے لیے اپنے لیکچروں کو اپ ڈیٹ کیا ہے لیکن اس کے ساتھ میری یہ کوشش بھی رہی ہے کہ میں اصل موضوع جو میرا لیکچروں کے دوران رہا تھا، پر قائم رہوں، میں نے اس میں سوال و جواب کا بھی ایک ایڈیٹ شدہ ورژن بھی شامل کیا ہے۔ اس کتاب کا مقصد دہشت گردی پر موجود ڈیٹا کو آسان الفاظ میں لوگوں کے سامنے لانا ہے۔ گو کہ اس میں شماریات کے حوالے سے کئی باتوں کا تذکرہ ہے مگر قارئین کے لیے یہ کسی مسئلے کا باعث نہیں بنیں گی۔ معاشی مسائل، غلطیوں اور دیگر ایسے عوامل کو ٹیبل اور گراف تک ہی محدود رکھا گیا ہے اگر کوئی اس کے بارے میں زیادہ جاننا چاہے تو اسے میرا ''آرٹیکل پڑھنا چاہیے جو میں نے Journal of Economic Perspective میں جیٹکا میلی کووا کے ساتھ مل کر لکھا تھا، اور اس کے علاوہ اس کے لیے وہ دو تحقیقی مقالے بھی خاصے مفید ہوں گے جو میں نے ڈیوڈ لے ٹن، جو ایک سیاسی امور کے ماہر ہیں کے ساتھ مل کر لکھے تھے۔ یہ آرٹیکل اور اس کے علاوہ دیگر غیر مطبوعہ مواد میرے ویب پیج پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

www.krueger.princeton.edu

لیکچر 1

دہشت گرد کون بنتا ہے؟
دہشت گردی میں حصہ لینے والوں کی انفرادی خصوصیات

پچھلے چھ سال کے دوران میں دہشت گردی کی معیشت یا معاشیات کا مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ اس لیکچر میں پوچھا گیا ہے کہ کیوں لوگ دہشت گردی میں حصہ لیتے ہیں: ان کے خصائل و عادات وغیرہ کیا ہیں؟ کیا ہم ان کے پیچھے قوت وتحریک، دہشت گردی میں حصہ لینے کی وجوہات، ان کی خصوصیات اور ان کے خاندانی پس منظر سے کوئی نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں؟

مجھ سے اکثر سوال کیا جاتا ہے کہ اس کا معیشت سے کیا تعلق ہے؟ ایک ماہر معاشیات کو کیا ضرورت بڑی ہے دہشت گردی کو جاننے کی؟

میرے پاس اس بات کے دو جواب ہیں۔ ایک کچھ حد تک ہلکا اور دوسرا کچھ زیادہ سنجیدہ ہے۔

ہلکی پھلکی بات یہ جواب ہے کہ دہشت گرد، دہشت گردی کی جانب اسے ایک پیشہ سمجھ کر مائل ہوتے ہیں جیسا کہ کوئی ڈاکٹر یا ماہر معاشیات بننا چاہتا ہے یعنی یہ لوگ اسے ایک پیشہ سمجھتے ہیں۔ لیبر اکانومسٹ اس موضوع پر خاصا کام کر چکے ہیں کہ کون کیا اور کیوں بنتا ہے؟ یہ لوگ اگر ان خطوط پر کام کریں تو شاید دہشت گردی کے بارے میں ہمیں مزید پتہ چل سکے۔ دوسرا جواب جو خاصا سنجیدہ ہے، کا تعلق میرے اس کام سے ہے جو میں نے جوان سٹیفن پس چیک، جو آج کل لندن سکول آف اکنامکس

میں ہیں، سے مل کر کیا تھا۔ میں نے جرمنی میں غیر ملکی لوگوں کے خلاف نفرت پر مبنی جرائم کا مطالعہ کیا، (یہ جرائم 1990 کی دہائی کے آغاز میں وہاں شروع ہوئے تھے) میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ آیا واقعی معاشی عوامل لوگوں کو ان نفرت پر مبنی جرائم یا دہشت گردی پر اکساتے ہیں۔ میرے مطالعے کا نتیجہ یہ تھا کہ ایسا نہیں۔ صرف معاشی عوامل انفرادی یا اجتماعی سطح پر اس بات کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔

یہاں پر میں نے انفرادی سطح پر بات کی ہے۔ دوسرے لیکچر میں میری اس تحقیق کا ذکر ہے جو میں نے ملکی سطح پر کی ہے۔ اس لیکچر میں، میں نے ان ممالک اور ان کی خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے جو دہشت گردوں کے لیے جنت ہیں یا جو ان کے نشانے پر ہیں۔ آخری لیکچر میں دہشت گردی کے معاشی نتائج کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہاں پر آپ دیکھ سکیں گے کہ میری معاشی تحقیق نفسیات اور دیگر بہتری کے عوامل تک پہنچ رہی ہے۔

دنیا کے بہت سے لیڈروں اور مشہور مفکرین کا یہ خیال ہے کہ دہشت گردی کا غربت اور تعلیم کی کمی سے براہ راست تعلق ہے۔ سابق امریکی صدر جارج بش نے نائن الیون کے حملوں کے بعد میرے خیال میں اپنی خواہش اور ارادے سے مجبور ہو کر ہمدرد، خدا ترس بنتے ہوئے 22 مارچ 2002ء کو مونٹری (میکسکو) میں کہا تھا: ''ہماری جنگ غربت سے ہے کیونکہ امید دہشت کا جواب ہے۔'' ان کی اہلیہ لارا بش نے بھی ان کا ساتھ دیتے ہوئے کہا تھا:

''دہشت گردی کے خلاف موثر جنگ کا انحصار دنیا بھر کے بچوں کی تعلیم سے ہے کیونکہ یہ بچے اقدار کو گلے لگا کر دہشت گردی کا خاتمہ کر سکتے ہیں'' اسی طرح ورلڈ بنک کے ایک سابق صدر جیمز وولفنسن نے کہا تھا ''دہشت گردی کے خلاف اسی وقت تک جنگ نہیں جیتی جا سکتی جب تک کہ ہم غربت پر قابو نہیں پا لیتے اور عدم اطمینانی کے ذرائع کا خاتمہ نہیں کر دیتے۔''

سابق برطانوی وزیر اعظم، ٹونی بلیر نے بارہا اس بات کا اظہار کیا ہے کہ معاشی مسائل دہشت گردی کا سبب ہیں۔ 12 نومبر 2002ء کو ٹونی بلیر نے کہا ''دہشت گردی کے اژدہے کے دانت ان ممالک میں پوری طرح سے گڑے ہوئے ہیں جہاں مایوسی اور غربت نے انتقامی طبقہ پیدا کر دیا ہے۔'' لندن میں بم حملوں کے بعد جولائی 2005ء میں ٹونی بلیر نے کہا ''آخر کار ہم نے یہ جان لیا ہے کہ ایک براعظم میں انتہا پسندی، شدت پسندی اور غربت کی انتہائی بھیانک شکلیں موجود ہیں اور ان کے نتائج زیادہ دیر تک اس براعظم تک محدود نہیں رہ سکتے۔'' ان کے علاوہ بل کلنٹن، ال گور، ترکی کے وزیر اعظم

طیب اردگان، دہشت گردی پر تحقیق کی ماہر جیسکا ٹرن، اردن کے شاہ عبداللہ ان سب نے اسی خیال کا اظہار کیا ہے مگر اس کے باوجود میں اس لیکچر میں اور اس سے اگلے میں آپ کو قائل کرلوں گا کہ دہشت گردی اور غربت، تعلیم کی کمی میں تعلق بالواسطہ ہے اور یہ خاصا پیچیدہ اور کمزور ہے۔

میرے تعلیم کے بارے میں شائع شدہ مضامین جن کا ٹائیٹل Education Matters (Krueger 2003) تھا کا موضوع تعلیم کے فوائد تھا۔ میرے اس کام میں یقیناً یہ بات زور دے کر کہی گئی ہے کہ تعلیم کے معاشرے میں بہت فائدے ہیں۔ تاہم میں یہ نہیں سمجھتا کہ تعلیم کے فروغ یا ترقی سے دہشت گردی میں کمی لائی جاسکتی ہے۔ بلکہ میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ بے مقصد تعلیم کا کوئی فائدہ نہیں، اگر ہم نے دہشت گردی کا خاتمہ کرنا ہے۔

نفرت پرمبنی لٹریچر اب خاصا پرانا ہو چکا ہے اور یہ دہشت گردی پر لٹریچر سے زیادہ بہتر اور ترقی یافتہ ہے۔ لہٰذا میں ان نفرت پرمبنی جرائم کا تذکرہ کروں گا اور اس کے بعد دہشت گردوں کے شخصی تعارف یا خاکہ کشی کی جانب آؤں گا اور بتاؤں گا کہ کیسے ایک ماڈل دہشت گرد تیار کیا جاتا ہے۔

دہشت گردی کی تعریف

دہشت گردی کی تعریف کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اگر مجھے اس میدان میں بالکل شروع سے کام کرنا پڑے تو میں اس لفظ دہشت گرد سے پرہیز کروں گا اور میں ایک نسبتاً غیر جانب دار اصطلاح جیسا کہ سیاسی عقائد یا سیاسیات سے وابستہ شورش استعمال کروں گا۔ دہشت گردی ایک جنگلی چال یا داؤ پیچ ہے۔ رچرڈ کلارک جو امریکن نیشنل سیکیورٹی کونسل میں رہ چکے ہیں نے اس بارے میں بحث کرتے ہوئے کہا تھا کہ دہشت گردی کے خلاف اعلان جنگ کا مطلب کچھ ایسا ہی ہے جیسا کہ دوسری جنگ عظیم کے آغاز میں چرچل اور روز ویلٹ نے جرمنی کی آبدوزوں کے خلاف اعلان جنگ کیا تھا۔ ایک جنگی چال کے خلاف اعلان جنگ ایک مشکل امر ہے۔ اس کے علاوہ دہشت گردی کی چال کو سمجھنا خاصا مشکل ہے۔ اب دہشت گردی کی ایک سو سے زیادہ تعریفیں موجود ہیں۔ 2002ء میں پچاس سے زیادہ مسلمان ملکوں کے وزراء خارجہ کی ایک کانفرنس میں مندوبین نے دہشت گردی کی ایک متفقہ مذمت کی مگر یہ لوگ اس کی ایک جامع تعریف بیان کرنے سے قاصر رہے تھے۔

جب میں دہشت گردی پر بات کرتا ہوں تو میرا اشارہ یا حوالہ ایک پہلے سے منصوبہ کی گئی سیاسی بنیادوں پر شورش کی جانب ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ میرا موضوع ریاست کے اندر موجود تنظیمیں اور افراد

ہیں جو اپنا نقطہ نظر یا عقیدہ لوگوں پر ٹھونسنا چاہتی ہیں (1)۔ میری تعریف میں دہشت گردی کا مقصد خوف پھیلانا ہے۔ ان کے نزدیک زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ ان کا پیغام زیادہ سے زیادہ دلوگوں تک پہنچے۔ ایک اور مسئلہ یہاں پر اور بھی ہے کہ دہشت گردی کی جامع تعریف کے لیے دہشت گردوں کے پیچھے تحریک یا محرکات کا جاننا ضروری ہے۔ اس لحاظ سے سیاسی بنیادوں پر جاری شورش کی ہمیں تفصیل میں جانا ہوگا۔ اس بات یا ایشو پر دہشت گردی پر کام کرنے والی تنظیمیں جو ان سے متعلق سرگرمیوں کی پیمائش میں کوشاں ہیں، جدوجہد میں مصروف نظر آتی ہیں۔

نفرت پر مبنی جرائم

میں ہیٹ کرائمنر یا نفرت پر مبنی جرائم کو دہشت گردی کا قریبی کزن قرار دیتا ہوں۔ میرے نزدیک ہیٹ کرائمنر کی تعریف یہ ہے کہ وہ جرائم ہیں جو کسی ایک مذہبی، نسلی یا لسانی گروہ کے خلاف کیے جاتے ہیں اور ان کا تعلق گروہ یا گروپ کے مخالف عنصر (یعنی زبان، مذہب یا نسل) سے ہوتا ہے اسی کے زیر اثر ان جرائم کا ارتکاب کیا جاتا ہے، اور یہاں پر گروہ کے افراد کی خصوصیات وغیرہ کو نہیں دیکھا جاتا۔ میں بعض دفعہ ان دونوں یعنی دہشت گردی اور ہیٹ کرائمنر کو ملا دیتا ہوں اور انہیں بے ترتیب پرتشدد بہدف کارروائیوں کا نام دیتا ہوں۔ یہاں پر افراد کا انتخاب بغیر کسی ترکیب یا قاعدے کے کیا جاتا ہے جبکہ جس گروپ سے اس کا تعلق ہوتا ہے اسے ایک مقصد کے تحت نشانہ بنایا جاتا ہے۔ کیونکہ دہشت گرد اپنا پیغام بھیجنا چاہتے ہیں یا کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

یہ ہیٹ کرائمنر اکثر و بیشتر ایک فرد کی جانب سے شروع کیے جاتے ہیں اور یہ ایک دم سے شروع ہو سکتے ہیں جبکہ دہشت گردی کے پیچھے زیادہ تر کسی تنظیم کا ہاتھ ہوتا ہے۔

میرا عقیدہ ہے کہ یہ ہیٹ کرائمنر ان لوگوں کے ''سپلائی فنکشن'' کی نمائندگی کرتے ہیں جو ایسے جملوں میں ملوث ہیں۔ (2) ان ہیٹ کرائمنر کا جائزہ لینے سے ان میں حصہ لینے والوں اور پس پردہ تنظیم کی سرگرمیوں کو الگ کر کے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس تنظیم کا کردار ایک فلٹر یا فائدہ حاصل کرنے والے عنصر جیسا ہوتا ہے۔

ہیٹ کرائمنر پر جدید لٹریچر کا آغاز اس وقت ہوا جب آرتھر ریپر نے 1933ء میں ایک کتاب ''The Tragedy of Lyching'' تحریر کی۔ ریپر نے اس میں ثابت کیا کہ جب کبھی بھی امریکا کے جنوب میں کاٹن کی پیداوار بہتر ہوتی ہے تو ایسے واقعات (مار پیٹ، قتل و غارت وغیرہ) بہت کم

دیکھنے میں آتے ہیں اور جب پیداوار میں کمی ہوتی تو یہ واقعات بڑھ جاتے ہیں۔ اس تحقیق سے محرومی' جارحیت یا مایوسی اور جارحیت جیسے مفروضے کو لٹریچر میں جگہ ملی۔ اسی طرح سے کارل ہولینڈ اور رابرٹ سیرز نامی دو ماہرین نفسیات نے بھی ریپر کے نظریے کی تائید کی کہ معاشی محرومی سے جارحیت پیدا ہوتی ہے۔ اس پر امریکا میں اس بات کا چرچا ہونے لگا کہ معاشی حالت کا دہشت گردی جیسے واقعات سے گہرا تعلق ہوسکتا ہے اور میں بھی اس سے اتفاق کرتا ہوں اور اس پر اب مزید بحث کروں گا۔

اس خیال کے ساتھ ایک مسئلہ یہ ہے کہ اس کی حمایت میں کوئی مضبوط، ٹھوس تجرباتی شواہد پیش نہیں کیے جاسکتے۔ گرین، میک فال اور سمتھ نے 2001ء میں ایک تحقیقی مقالے میں یہ بات ثابت کی کہ معاشی بدحالی اور ہیٹ کرائمز میں براہ راست تعلق نہیں۔ انہوں نے ثابت کیا کہ اگر سال بہ سال کا جائزہ لیا جائے تو ایسا نظر نہیں آتا۔ ریپر کے تجزیے کا اختتام 1929ء میں ہوتا ہے۔ اس کے بعد گریٹ ڈیپریشن نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ڈیٹا سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ اس دوران جبکہ کاٹن کی قیمتیں بالکل گر گئی تھیں مار پیٹ کے واقعات بہت کم ہوئے تھے بلکہ ان میں بتدریج کمی ہوتی رہی تھی۔ لہٰذا اس سے ایک براہ راست تعلق والا معاملہ قریب قریب ختم نظر آتا ہے۔ بعد میں کی جانے والی تحقیق سے مزید اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ ہیٹ کرائمز اور معاشی حالات وصورتحال میں ایک براہ راست تعلق موجود ہے۔ 1998ء میں گرین، گلے سر اور رچ نے ایک سٹڈی کی جس کے مطابق، یہودیوں، ہم جنس پرستوں اور کالوں کے خلاف نیو یارک میں جتنے بھی ہیٹ کرائمز کا ارتکاب کیا گیا ان کا شہر میں موجود بے روزگاری کی شرح سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

فلپ جیفرسن اور فریڈ پرایر نامی دو ماہرین معاشیات جن کا تعلق ساورتھ مور سے تھا، نے ایک مختلف سٹڈی کی۔ انہوں نے یہ جاننا چاہا کہ امریکا کے کس حصے میں کم از کم ایک ایسا گروپ موجود ہے جو ہیٹ کرائمز کا ارتکاب کرتا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ امریکا کی 3100 کاؤنٹیز میں سے 10 فیصد ایسی ہیں جہاں کم از کم ایک ایسا گروپ موجود ہے (1997 تک)۔ ان دونوں ماہرین نے سدرن پاورٹی لامنسٹر سے اپنا ڈیٹا حاصل کیا، جس کے مطابق کو کلس کلان (Ku klux Klan) ان میں سب سے نمایاں تھا۔ ان کی تحقیق نے یہ دکھایا کہ معاشی حالات، بے روزگاری وغیرہ کا ہیٹ کرائمز سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بلکہ انہوں نے یہ دیکھا کہ ان کا تعلق اس طبقے سے تھا جو اوسط درجے تک پڑھا لکھا ہے۔ یہاں ایسے گروپوں کا عمل دخل زیادہ دیکھا گیا۔ ان ماہرین نے قیاس آرائی کی کہ یہ ہیٹ کرائمز اس وقت زیادہ ہوتے جب قانون کمزور پڑ جائے یا حکومتی سطح پر ان کی حمایت کی جائے۔

جوان سٹیفن پس چیک اور میں نے اسی قسم کا ایک پیپر شائع کیا تھا۔ 1997ء میں شائع ہونے والے اس پیپر کا نام Journal of Human Resources تھا۔اس میں ہم نے جرمنی کی 543 کاؤنٹیز میں ہونے والے ہیٹ کرائمز کا تجزیہ کیا ہے۔ہم نے جنوری 1992 سے جون 1993 تک کے 1056 ہیٹ کرائمز کے واقعات کی سٹڈی کی ہے۔ہماری زیادہ معلومات کی بنیاد اخباری رپورٹوں پر مبنی ہے۔ یہ ہیٹ کرائمز ترکوں، ویت نامیوں، یوگرسلاؤ اور دیگر غیر ملکیوں کے خلاف کیے گئے تھے۔(3) گوشوارہ 1.1 میں 100000 کی آبادی میں غیر ملکیوں کے خلاف ان کرائمز کی تعداد دیکھی جا سکتی ہے۔ اس سے دیکھا جا سکتا ہے کہ یہ ہیٹ کرائمز مغرب میں مشرق کی نسبت خاصے کم رہے ہیں۔شاید اس کی وجہ معاشی بدحالی رہی ہو کیونکہ ان دنوں جرمنی کا مشرقی حصہ غربت و بے روزگاری جیسے معاشرتی مسائل میں گھرا ہوا تھا۔مگر ایسا نہیں ہے کیونکہ تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ ملک کے دونوں حصوں میں ایسے جرائم کی وجہ معاشی حالات نہیں تھے۔مثال کے طور پر ملک کے شمال مغربی ساحلی علاقے (جن کو فگر میں دائرے سے ظاہر کیا گیا ہے) ان دنوں خاصی محرومی و مایوسی کا شکار تھے' ایسے جرائم بہت کم ہوئے تھے۔ان کے اور معاشی محرومی کے درمیان براہ راست تعلق بہت کم ہے۔

Table 1.1 Regressions for Crimes against Foreigners in All German Counties

		Regression models		
	Means	(1)	(2)	(3)
Unemployment rate (percent)	9.5	0.156 (0.054)	-0.1.24 (0.085)	-0.116 (0.077)
West	0.60	-	-3.705 (0.866)	-1.014 (0.892)
Kilometers to western bordera	43.7 [East: 110.3]	-	-	0.024 (0.004)
Percentage foreign	4.4	-0.051 (0.059)	0.031 (0.060)	0.066 (0.056)
Log population density	5.4	-0.433 (0.303)	-0.407 (0.299)	-0.363 (0.292)
Moderately urban	0.36	-0.324 (0.428)	-0.186 (0.414)	-0.313 (0.401)
Moderately rural	0.12	0.728 (0.602)	0.697 (0.583)	0.284 (0.558)
Rural	0.18	0.514 (0.586)	0.802 (0.573)	0.353 (0.564)
Kreisstadt (county is single city)	0.22	1.592 (0.088)	1.466 (0.680)	1.388 (0.664)
Travel time to metropolitan area (minutes)	84.0	-	-	0.011 (0.004)
Spatial autocorrelation parameter	-	0.385 (0.051)	0.340 (0.053)	0.215 (0.059)
Number of observations	543	543	543	543

Source: From Krueger and Pischke (1997, Table 3).

Note: Standard errors are in parentheses.

[a]Columns l-3 present separate maximum likelihood regression estimates in which the dependent variable is the number of violent crimes against foreigners per 100,000 res- idents in a county.

(اس نقشے میں 1056 ہیٹ کرائمز کو دکھایا گیا ہے جو غیر ملکیوں پر جنوری 1992 سے جون 1998 کے درمیانی عرصے میں کیے گئے تھے۔ دائرے میں جو ایریا ہے وہاں ان دنوں بے روزگاری کا تناسب بہت زیادہ تھا مگر غیر ملکیوں کے خلاف بہت کم جرائم ریکارڈ کیے گئے تھے۔

Incidents	Counties
3.75–34	81
1.75–3.75	78
1–1.75	76
0.15–1	92
0.0 216	

جرمنی میں بے روزگاری کا تناسب صوبوں کے لحاظ سے

Incidents	Counties
14.2–14	139
8.2–14.2	133
137	5.2–8.2
134	2.5–2.5

ٹیبل 1.1 کے کالم جس کی ہیڈنگ (1) ہے میں دیکھا جاسکتا ہے کہ بے روزگاری کا براہ راست تعلق غیر ملکیوں کے خلاف کیے گئے جرائم سے ہے۔ جبکہ نمبر 2 کالم میں ہم اس کا الٹ دیکھتے ہیں اس کے علاوہ دیگر عوامل میں زیادہ آبادی بھی شامل ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی جگہ کی آبادی میں غیر ملکیوں کی تعداد کا اس سے کوئی تعلق ہے۔

یہاں ایک اور نکتہ بہت اہم ہے وہ یہ کہ صوبہ یا کاونٹی مغرب سے کتنی دور ہے (کالم 3)۔ مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ جتنا زیادہ کوئی علاقہ مغرب سے دور اور مشرق میں واقع ہے وہاں ہیٹ کرائمنر زیادہ تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ مغرب میں قانون نافذ کرنے والے ادارے مشرق کی نسبت بہت مضبوط تھے۔ اس لحاظ سے جیفرسن اور پرایر کی تحقیق درست نظر آتی ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں بے روزگاری، کم تنخواہ یا مزدوری اور تعلیم کا ہیٹ کرائمنر سے براہ راست اور گہرا تعلق ہرگز نہیں۔

ارمن فاک اور جوزف زی وی میولر نے 2005 میں ایک مقالہ شائع کیا۔ جس سے اس بات کو تقویت ملی کہ جرمنی میں 1996 سے 1999 کے درمیانی عرصے میں کیے گئے ہیٹ کرائمنر کا بے روزگاری سے تعلق ہے۔ نظر تو یہ آ رہا ہے کہ یہ مقالہ ہماری تحقیق کی نفی کر رہا ہے۔ تاہم ان دونوں ماہرین نے ہلکے پھلکے اور شدید دونوں نوعیت کے جرائم کا مطالعہ کیا تھا جبکہ ہم نے صرف سنگین جرائم کے بارے میں تحقیق کی تھی اور یہ شدید جرائم قریب قریب دہشت گردی کے زمرے میں آتے ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان دونوں ماہرین نے بھی اس بات کو نوٹ کیا جو ہم پہلے کر چکے تھے وہ یہ کہ جرمنی کے مشرقی علاقوں میں بے روزگاری اور دائیں بازو کے شدت پسند زیادہ ہیں اس سے انہوں نے ان کے درمیان ایک براہ راست تعلق کا مفروضہ قائم کیا۔ تاہم ہماری تحقیق کے نتیجے میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کے درمیان یعنی دائیں بازو کے شدت پسند عناصر کی جانب سے کیے کہ جانے والے جرائم اور بے روزگاری میں بہت کم تعلق ہے۔

مختصراً یہ کہنا چاہیے کہ بہت ریسرچ اور سٹڈی سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہیٹ کرائمنر اور معاشی مسائل کے درمیان بہت کم تعلق ہے۔ یہاں پر اہم فیکٹر قانون نافذ کرنے والے اداروں کی ان سے چشم پوشی ہے۔

عالمی آراء پرمبنی سروے

یہاں پر عالمی آراء سے حاصل ہونے والے علم کی بہت اہمیت ہے۔ دہشت گردی خلا میں نہیں ہوتی۔ وہ برادریاں، خاندان یا گروہ جن سے ان دہشت گردوں کا تعلق ہوتا ہے کا اس میں بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ اسی طرح سے ان گروہوں یا برادریوں کے خیالات واقدار کی بھی بہت اہمیت ہے۔ عوامی رائے سے ان اقدار وخیالات کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔

(PEW) پیو ریسرچ سنٹر نے پیو گوبل ایٹی چیوڈ پروجیکٹ (PGAP) کا اہتمام کیا، اس کے تحت عوامی رائے کے لیے سروے کیے گئے۔ میں نے ان سروے رپورٹوں سے ڈیٹا اکٹھا کیا ہے۔ یہ سروے جنوری 2004ء میں اردن، مراکش، پاکستان اور ترکی میں کیے گئے۔ ہر ملک سے کم از کم ایک ہزار افراد کی رائے معلوم کی گئی تھی۔

اس سروے کے دوران جو سوالات پوچھے گئے ان میں سے ایک یہ تھا ''آپ کا ان خودکش حملوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو امریکیوں یا دیگر مغربی ممالک کے لوگوں پر عراق میں کیے جا رہے ہیں؟ آپ کے خیال میں یہ درست ہیں یا غلط۔ فگر 1.3 میں گراف کی مدد سے چاروں ملکوں کے عوام کی رائے کو ظاہر کیا گیا ہے۔ یہاں پر لوگوں کی تعلیم کو بھی دکھایا گیا ہے، جیسا کہ آپ دیکھ سکتے ہیں مراکش میں یونیورسٹی کی سطح تک تعلیم پانے والے لوگوں کی اکثریت ان خودکش حملوں کے حق میں ہے۔ یہی رائے ترکی کے لوگوں کی ہے۔ اردن میں یہ شرح کم اور پاکستان میں بالکل کم ہے تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہاں صرف ان پڑھ یا غریب ہی ان حملوں کے حمایتی ہیں۔

یہاں پر ایک اور اہم دریافت یہ ہے کہ ان لوگوں کی تعداد بھی قابل ذکر ہے جو ان سوالات کے جواب میں کہتے ہیں ''ہمارا کوئی خیال نہیں'' ان سے ان لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ جو سوالات کا جواب ''ناں'' میں دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ جو سوالات کیے گئے تھے وہ تھے: کیا اسرائیل کے خلاف خودکش حملے ہونے چاہئیں اور کیا ایسے حملے اسلام کی بقا کے لیے ضروری ہیں۔ ان کا جواب بھی کم وبیش اسی پیٹرن میں آیا۔

میں نے اسی پیٹرن پر سٹڈی آمدن کو لے کر کی ہے (Fig1.4) اور پاکستان اور ترکی کا ڈیٹا استعمال کیا ہے جو میرے پاس موجود تھا۔ ان گرافوں سے یہ نظر آتا ہے کہ پاکستان اور ترکی دونوں میں درمیانے درجے کے لوگ ان حملوں کے حق میں ہیں۔ ترکی میں البتہ ان لوگوں کی تعداد زیادہ ہے جن کی آمدنی زیادہ ہے یا جو امیر ہیں۔ پاکستان اور اردن میں آمدنی اور لوگوں کا خیال کہ یہ حملے درست ہیں، ایک کمزور تعلق موجود ہے۔

بلحاظ آمدنی

بلحاظ آمدنی

فلسطین کے لوگوں کی رائے پر مشتمل سروے

پیلسٹائن سنٹر فار پالیسی اینڈ سروے ریسرچ (PC PSR)، نامی ایک ادارہ سروے کا کام پیشہ وارانہ بنیادوں پر کر رہا ہے۔ اس کا ہیڈ کوارٹر رملہ میں ہے۔ یہ مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی کے لوگوں کی اسرائیل کے بارے میں رائے اکٹھی کرتا ہے۔ پچھلے کئی برسوں سے یہ ایسے کئی سروے کر چکا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں ان کے دسمبر 2001ء میں کیے گئے سروے کو استعمال کیا ہے۔ یہ سروے اسرائیل کی مغربی کنارے میں مداخلت سے کچھ ہی دیر قبل کیا گیا تھا۔ اس کے لیے سروے کرنے والوں نے 1300 سے زیادہ لوگوں سے جن کی عمریں 18 سال یا اس سے زیادہ تھیں سے بالشافہ ملاقاتیں کیں۔ اس ادارے یعنی PCPSR نے بڑی محبت اور تعاون کا ثبوت دیتے ہوئے مجھے اپنے ڈیٹا سے مستفید ہونے کا موقع دیا اور یہ تعاون اس وقت کیا گیا جب فلسطین۔ اسرائیل تعلقات ایک مشکل دور سے گزر رہے تھے۔

سوال: ''کیا آپ کی رائے میں اس وقت ایسے حالات ہیں کہ اسرائیل میں دہشت گردی کو پھیلا کر ہم اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے میں حق بجانب کہلا سکیں۔''

Table 1.2. "In your opinion, are there any circumstances under which you would justify the use of terrorism to achieve political goals?

	Educational level of respondent (percent)				
	Illiterate	Elementary *school*	Middle *school*	High *school*	*Greater* than high *school*
Yes or definitely yes	32.3	37.5	36.9	39.4	36.4
No or definitely no	45.3	53.4	55.3	51.4	56.7
No opinion	22.4	9.2	7.8	9.2	6.9

Source: Tabulations provided by the Palestinian Center for Policy and Survey Research. Survey of 1,357 Palestinians, age 18 and older, conducted December 19-24, 2001, in the West Bank and Gaza Strip

جواب دہندگان کی تعلیمی سطح (فیصد)

جیسا کہ دیکھا جاسکتا ہے اس ٹیبل میں لوگوں کی رائے کو تعلیمی سطح کے لحاظ سے دیکھا گیا ہے۔ صاف نظر آرہا ہے کہ ہر ایجوکیشن گروپ میں قریب قریب ایک تہائی لوگ دہشت گردی کے حق میں ہیں۔ اس کے نزدیک ہی وہ لوگ ہیں جو اس کے بالکل خلاف ہیں جبکہ ان پڑھ لوگ زیادہ تر کوئی رائے نہیں رکھتے۔ لہٰذا یہاں یہ بات سامنے آرہی ہے کہ ان پڑھ لوگ یا بہت کم پڑھے لکھے اپنی رائے کا اظہار نہیں کرتے یا وہ کوئی رائے نہیں رکھتے۔ اس بات کو Pew سروے جس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے میں بھی دیکھا گیا ہے۔

قابل ذکر بات یہاں پر یہ رہی تھی کہ دہشت گردی کی جامع تعریف نہیں کی گئی۔ جواب دینے والا اس سلسلے میں آزاد تھا کہ وہ اس کی جو مرضی چاہے تعریف کرے۔ ان سروے سے یہ ظاہر بھی ہوا کہ ان کی کی گئی تعریفیں یا وضاحتیں مغرب سے مختلف ہیں۔ مثال کے طور پر ٹیبل 1.2 میں دکھایا گیا سروے نائن الیون کے چند ماہ بعد کیا گیا تھا۔ اس کے دوران 53 فیصد لوگوں نے کہا تھا کہ وہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملوں کو دہشت گردی نہیں سمجھتے۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ان کا خیال ہے کہ مغرب میں اسے دہشت گردی کا واقعہ ہی سمجھا جائے گا۔

82 فیصد کی رائے میں تل ابیب (اسرائیل) میں نائٹ کلب پر ہونے والا خودکش حملہ، جس کے نتیجے میں 21 جوان ہلاک ہوگئے تھے دہشت گردی نہیں تھا۔ یہاں پھر یہ لوگ کہتے نظر آئے کہ باقی دنیا اسے یقیناً دہشت گردی قرار دے گی۔

سوال نمبر 17 میں یہ پوچھا گیا تھا کہ ''آپ کا اس بات پر یقین ہے کہ اگر اسرائیل کے اندر شہریوں پر مسلح حملے کیے جائیں تو وہ مقاصد جسے مذاکرات کے ذریعے سے نہیں حاصل کیا جاسکا حاصل ہو جائیں گے۔ یاد رہے کہ یہ سوال 2001ء میں پوچھا گیا تھا، جب فلسطین کے لوگوں کو کم حقوق ہی حاصل تھے۔ اس سوال کا جواب ہر گروپ کے 60 فیصد لوگوں نے ہاں میں دیا تھا (ٹیبل 1.3)۔ یہاں تعلیم کا اس بات سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ اس بات سے میں یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ فلسطین کے لوگ کافی عرصے سے یہ اعتقاد رکھتے آئے ہیں کہ اسرائیل کے شہریوں پر حملے فائدہ مند ہیں اور اس سے ان کے حقوق کو تسلیم کرنے میں مدد ملے گی۔ یہ سوال یا اس جیسے سوال 2001ء سے 2005ء کے درمیان جب بھی کیے گئے ان کا جواب ہاں میں دینے والے اکثریت میں ہی نظر آئے۔ 2006ء فلسطین کے لوگوں کا یہ اعتقاد وخیال ماند پڑنے لگا تھا۔ دسمبر 2006ء میں جب سروے کے دوران یہی سوال کیا گیا تو 49 فیصد نے یہ

رائے دی کہ مسلح جدوجہد سے وہ کچھ حاصل نہیں کیا جا سکتا جو مذاکرات کے ذریعے سے ممکن ہے اور 49 فیصد ہی اس بات کے مخالف رہے۔

اگر عوامی رائے عامہ میں یہ تبدیلی جاری رہی تو یقیناً یہ اس بات کی جانب اشارہ ہوگا کہ فلسطین کی اکثریت اب اسرائیل سے مذاکرات چاہتی ہے۔

ٹیبل 1.3 سوال ''کیا آپ یہ یقین رکھتے ہیں کہ اسرائیل کے اندر مسلح حملوں سے وہ کچھ مقاصد حاصل کر لیے گئے ہیں جو مذاکرات سے حاصل کرنا ممکن نہیں تھے۔''

جواب دہندگان کی تعلیمی سطح (فیصد)

	Illiterate	Elementary school	Middle school	High school	Greater than high school
Yes or definitely yes	56.8	63.3	64.8	63.3	59.9
No or definitely no	36.4	331.1	32.9	34.2	37.4
No opinion	6.8	3.6	2.3	2.4	2.8

ٹیبل 1.4 ''اسرائیلی تنصیبات پر حملے پر رائے، (1)''

جواب دہندگان کی تعلیمی سطح (فیصد)

	Illiterate	Elementary school	Middle school	High school	Greater than high school
Support or strongly support	72.2	80.5	82.1	86.6	81.5
Oppose or strongly oppose	25.9	17.5	15.3	12.0	13.9
Have no opinion	1.9	2.0	2.6	1.4	4.6

اس ٹیبل میں جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں اسرائیلی تنصیبات پر حملوں کے بارے میں فلسطینی عوام سے رائے لی گئی ہے۔ یہ سوال بھی 2001ء کے سروے کے دوران پوچھا گیا تھا۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ان حملوں کی پرزور حمایت کرنے والے وہ لوگ ہیں جن کی تعلیم زیادہ ہے اور جو اپنی رائے دینے سے قاصر

رہےان کی تعداد بہت کم ہے۔اس ٹیبل سے صاف ظاہر ہورہا ہے کہ فلسطین کے عوام زیادہ تعلیم حاصل کر کے دہشت گردی کے پرزور حامی بن رہے ہیں یعنی تعلیم یافتہ طبقہ دہشت گردی کو جائز قرار دے رہا ہے۔

ستمبر 2004ء میں یہی سوال دوبارہ کچھ مختلف انداز سے کیا گیا۔اس مرتبہ اس سوال کا تعلق مغربی کنارے میں اور اسرائیل کے اندر حملوں سے تھا۔اس مرتبہ 90 فیصد لوگوں نے ویسٹ بنک یا مغربی کنارے میں اسرائیل پر حملوں کی حمایت کی جبکہ 54 فیصد نے اسرائیل کے اندر حملوں کی بھرپور تائید کی۔یہاں پر تعلیمی سطح کا کوئی کردار نہیں رہا۔یعنی اس رائے کا تعلیم کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔2005ء میں کیے گئے ایک پول کے مطابق اسرائیل کے اندر حملوں کی حمایت کرنے والوں کی شرح میں خاصی کمی ہوئی تھی مگر 2006ء میں دوبارہ اس میں اضافہ ہوگیا اور یہ پہلے والی سطح پر آ گئی۔

مجھے 2001ء کے سوال یعنی کیا اسرائیل کے اندر مسلح حملے (تنصیبات پر) جائز ہیں کے جوابات کا وہ سیٹ حاصل کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی جو پیشوں کے لحاظ سے حاصل کیے گئے تھے۔اس ڈیٹا میں صرف پیشے کا ذکر ہے نہ کہ آمدنی کا۔ٹیبل 1.5 میں یہ ڈیٹا مختصراً دیا گیا ہے۔اس کی رو سے جیسا کہ دیکھا جاسکتا ہے 74 فیصد بے روزگار لوگ ایسے حملوں کے بھرپور حمایتی ہیں۔87 فیصد تاجروں اور دیگر پیشہ ور افراد نے کہا کہ ایسے حملے درست ہیں اور وہ اس کی بھرپور حمایت کرتے ہیں۔90 فیصد طالب علموں نے ان حملوں کی بھرپور تائید کی۔یہ بات حیران کن نہیں کیونکہ طالب علم وہ طبقہ ہے جو سب سے زیادہ انتہا پسند ہوسکتا ہے۔یہ بات مدنظر رہے کہ یہ طالب علم 18 سال یا اس سے زیادہ عمروں کے تھے۔82 فیصد گھریلو خواتین نے ان حملوں کی حمایت کی۔

ٹیبل 1.5 اسرائیلی تنصیبات پر مسلح حملوں کے بارے میں رائے (1)

جواب دہندگان کے پیشے (فیصد)

Occupation of respondent (percent)

	Student	*Laborer*	*Housewife*	*Merchant or professional*	*Unemployed*
Support or strongly support	89.7	80.8	82.0	86.7	73.9
Oppose or strongly oppose	9.4	16.0	15.7	10.0	23.9
Have no opinion	0.9	3.1	2.3	3.3	2.2

Source: Tabulations provided by the Palestinian Centre for Policy and Survey Research. Survey of 1,318 Palestinians, age 18 and older, conductd December 19-24, 2001, in the West Bank and Gaza Strip.

بے شک یہ جواب سوال کرنے والوں کو دیے گئے ہیں اور ان جواب دینے والوں نے آیا اپنے دل کی بات کی ہے یا نہیں یہ واضح نہیں ہوسکتا اور نہ ہی ان کے جواب سے ان کے آئندہ منصوبوں ارادوں کی بابت کچھ کہنا ممکن ہے۔ تاہم ایک حقیقت یہاں ضرور سامنے آئی ہے کہ زیادہ پڑھے لکھے اور اچھے پیشوں کے افراد ان حملوں کے حمایتی ہیں بہ نسبت ان کے جو غریب اور کم پڑھے لکھے ہیں۔

یہ باتیں کوئی نئی نہیں انہیں پہلے بھی دریافت کیا جا چکا ہے۔ ڈینیل لرز جواب MIT میں پروفیسر ہیں نے 1957ء میں ایک کتاب لکھی جس کا نام تھا 'The Passing of Traditional Society' اس کتاب میں پروفیسر نے مشرق وسطی کے 6 ممالک کے بارے میں انتہا پسندی کے بارے میں ڈیٹا اکٹھا کر کے اس کا تجزیہ کیا ہے۔ لرز نے یہ نتیجہ اخذ کیا ''حاصل شدہ ڈیٹا اس روایتی بات سے مطابقت نہیں رکھتا کہ انتہا پسند طبقہ محرومی و غربت کا شکار ہوتا ہے۔ غربت ان لوگوں میں زیادہ ہے جو سیاست سے دور ہیں۔'' میرے خیال میں اسے ہم وقت اور مقام سے آزاد ایک اہم دریافت قرار دے سکتے ہیں۔ اس کے برخلاف مثال میں نے جواب تک دیکھی ہے وہ شمالی آئر لینڈ کی ہے جسے میں لیکچر کے آخر میں بیان کروں گا۔ آخر میں PCPSR کے سروے میں یہ سوالات شامل کیے گئے تھے آیا لوگ مستقبل کے بارے میں پرامید ہیں۔ ان سے پوچھا گیا تھا کیا آپ کے خیال میں معیشت ترقی کر رہی ہے۔'' کیا اب صورتحال پچھلے تین سالوں کی نسبت بہتر ہے یا اس سے بدتر۔ جوابات سے یہ بات سامنے آئی تھی کہ دوسرے انتفاضہ سے کچھ عرصہ پہلے تک زیادہ تر لوگوں کا یہ خیال تھا کہ معیشت میں بہتری آ رہی ہے (فگر 1.5)۔ ان دنوں بے روزگاری میں بھی کمی ہوئی تھی۔ دوسرے انتفاضہ کا مستقبل کی معاشی تبدیلیوں کے بارے میں اُمید پر پانی پھر جانے سے کوئی تعلق نہیں تھا کیونکہ جب اس کا آغاز ہوا تھا (ستمبر 2000ء میں) تب بھی لوگ مستقبل کے بارے میں پراُمید تھے۔ (فگر 1.5 شکل کے بارے میں پوچھے گے سوالات کے فلسطینی لوگوں کے جوابات)

رائے ظاہر کرنے سے شرکت کرنے تک

دہشت گردی کی زبانی کلامی حمایت کرنے اور خود آگے بڑھ کر اس میں شریک ہونا، ان میں بہت فرق ہے۔ اب میں شریک ہوجانے سے متعلق ثبوت کی جانب آتا ہوں۔ میں اس کا آغاز ناصرہ حسن کے اس آرٹیکل سے کروں گا جو اس نے 'نیو یارکر' کے لیے لکھا تھا۔ اس زبردست آرٹیکل میں ناصرہ نے ایسے 250 جنگجوؤں اور ان کے ساتھیوں سے لیے گئے انٹرویوز کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ سب کے سب 1990 کی دہائی کے اختتام پر فلسطین کے لیے مسلح جنگ کر رہے تھے۔ ناصرہ ان دنوں اقوام متحدہ کی جانب سے مغربی کنارے میں تعینات تھی۔ اس نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ ان 250 میں سے کوئی بھی بہت غریب، بے روزگار یا ان پڑھ نہ تھا۔ بہت سے ایسے تھے جو بہترین نوکریاں کر رہے تھے۔ اور کوئی بھی مایوس اور نا اُمید نہ تھا۔ ان میں سے دو تو ایسے تھے جن کے والدین کروڑ پتی تھے۔ اسے حماس کے ایک لیڈر نے بتایا ''ہمارا سب سے بڑا مسئلہ وہ بے شمار نوجوان ہیں جو ہمارے پیچھے ہر وقت پڑے رہتے ہیں کہ ہم انہیں خود کش مشن پر بھیجیں اور ہمارے لیے ان میں سے چند ایک کا انتخاب بہت مشکل ہو جاتا ہے۔''

یہ بات اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہے کہ وہ یا اس جیسی تنظیمیں خود کش مشن کے لیے لوگوں کو کسی نہ کسی کیٹگری کے تحت منتخب کرتی ہیں۔ غالباً وہ ایسے جوانوں کو مشن دیتی ہیں جن کے ناکام ہونے کے کم سے کم مواقع ہوں۔ مشن کی ناکامی ان کے لیے تباہی کا باعث ہوسکتی ہے۔ کیونکہ پکڑے گئے دہشت گرد ایجنسیوں کو ان تک لا سکتے ہیں۔

اریل میراری' جو کہ تل ابیب یونیورسٹی میں ایک ماہر نفسیات ہے، ان دہشت گردوں کا جائزہ لے چکا ہے جو ناکام رہے تھے۔ اس نے بھی یہی نتیجہ نکالا ہے کہ کوئی بھی ایسا نہیں تھا جسے نفسیاتی طور پر ابنارمل کہا جاسکے اور وہ مایوس بھی نظر نہیں آتے تھے۔

کلاڈ بیری بی' جو آج کل رینڈ (RAND) کارپوریشن کے سول جسٹس کے انسٹیٹیوٹ میں ہیں، پرنٹس میں ان لوگوں کی خصوصیات پر مکالمہ لکھا جو مغربی کنارے اور غزہ میں دہشت گردی کی سرگرمیوں میں ملوث رہے تھے۔ صرف ان کا مطالعہ کرنے کی بجائے بیری بی نے خود کش بمباروں اور دوسرے جنگجوؤں کا موازنہ، 16 سے 50 سال کی عمروں کے باقی مردوں سے کیا۔ فگر 1.6 میں دیکھا جاسکتا ہے کہ خود کش حملہ آوروں کا تعلق بہت کم ایسے خاندانوں سے تھا جو بہت غریب تھے۔

اس کے علاوہ یہ بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ قریب قریب 60 فیصد خودکش حملہ آور ایسے تھے جو ہائی سکول سے بھی زیادہ تعلیم پا چکے تھے جبکہ 15 فیصد ایسے تھے جن کا تعلق عام لوگوں سے تھا یعنی کم پڑھے لکھے۔ یہ بات بھی زیادہ حیران کن نہیں کیونکہ حماس اور فلسطین کی اسلامک جہاد نامی تنظیمیں جن سے یہ ڈیٹا حاصل کیا گیا ہے اپنے لیے جوان کالج اور یونیورسٹی سے ہی لیتی ہیں۔ کالج یا یونیورسٹی جانے والے افراد کا تعلق یا تو متوسط طبقے سے ہوتا ہے یا بہت امیر طبقے سے۔

شخصی معلومات

میں نے اسی قسم کا تجزیہ حزب اللہ تنظیم کے ارا کین کا کیا، حزب اللہ کئی رخی تنظیم ہے۔ اس کی تین شاخیں ہیں، سیاسی، سماجی اور مزاحمتی۔ اس کا آغاز 1980ء کی دہائی کے آغاز میں لبنان میں ہوا تھا۔

اس کا مقصد لبنان پر اسرائیل کے قبضے کی مزاحمت کرنا تھا۔ حزب اللہ کو لبنان میں امریکن سفارت خانے اور میرینز خودکش حملوں کے علاوہ فرانسیسی چھاتہ بردار فوج پر حملوں کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔

امریکن سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اور برطانوی دفتر خارجہ دونوں اسے ایک دہشت گرد تنظیم قرار دے چکے ہیں، لیکن جب میں نے اس تنظیم کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو شاید اسے ان دنوں مزاحمتی تنظیم کہا جا رہا تھا۔ میں اس تنظیم سے ان 129 لوگوں کی زندگی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں کامیاب رہا تھا جو اپنے مشن کے دوران ہلاک ہو گئے تھے یعنی شہدا اور انہیں تنظیم کے نیوز لیٹر ''العہد'' میں بڑی عزت و تکریم دی گئی ہے۔ ان کی زندگی پر مبنی اس معلومات کو ایلی پروٹنر نے تل ابیب یونیورسٹی میں 1998ء میں ترجمہ کیا۔ میں نے اسی ترجمے کو ڈیٹا میں تبدیل کر کے اپنے اس ڈیٹا سے ملا دیا جو لبنان کی وزارت برائے سماجی امور اور ہاؤسنگ سروے نے 15 سے 30 سال کی عمروں کے 120,000 مردوں کے لیے 1996ء میں کیا تھا۔

یہ ڈیٹا خاصی مشکل یا تبدیلیوں کا حامل ہے۔ حزب اللہ کے سارے کے سارے لوگ دہشت گردی میں ملوث نہیں تھے، لہٰذا ہم اس نمونے کو ایک نمائندہ نمونہ نہیں کہہ سکتے۔ اس کے علاوہ اس ڈیٹا میں صرف وہ لوگ شامل ہیں جو ہلاک ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ حزب اللہ کے نمونے اور لبنان کی حکومت کے سروے میں فرق ہو سکتا ہے اور غربت کا بھی فیکٹر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس لحاظ سے یہ ڈیٹا مشکل اور پیچیدہ ہے۔ یہ دیکھتے ہوئے میں نے اپنا تجزیہ لبنان کے جنوب تک محدود کر لیا تھا جہاں شیعہ اکثریت میں ہیں اور یہیں سے حزب اللہ کا آغاز بھی ہوا تھا۔

ٹیبل 1.6 میں دیکھا جا سکتا ہے کہ حزب اللہ کے ارکان باقی آبادی کی نسبت تھوڑے زیادہ غریب ہیں یہ تناسب 28 اور 33 فیصد کا ہے۔ یہ لوگ باقیوں سے زیادہ پڑھے لکھے تھے۔ یعنی 47 فیصد اور ان کی عمریں 15 سے بھی کم تھیں۔

میں نے اس ڈیٹا کو حزب اللہ کی شرکت کے ماڈل کو سمجھنے کے لیے استعمال کیا اور کئی عوامل کو مدنظر رکھا تو دریافت یہ ہوا کہ حزب اللہ کے ارکان باقی آبادی سے زیادہ پڑھے ہوئے تھے اور ان کا تعلق مڈل کلاس سے تھا۔

Table1.6 Comparison of Deceased Hezbollah Militants to Lebanese Population, Ages 15 to 38.

	Deceased Hezbollah militants (%)	Lebanese population (%)
Impoverished background	28	33
Education level		
Illiterate	0	6
Read and write	22	7
Primary school	17	23
Preparatory school	14	26
Secondary school	33	23
University	13	14
Postgraduate studies	1	1
Age		
15–17	2	15
18–20	41	14
21–25	42	23
26–30	10	20
31–38	5	28
Region of residence		
Beirut	42	13
Mount Lebanon	0	36
Bekaa	26	13
Nabatieh	2	6
South	30	10
North	0	22

Note: The p-values for tests of the hypothesis that the percentage are equal for the Hezbollah militants and Lebanese population are 489 for impoverished background, 000 for education level,. 000 for age, and. 000 for region.

میں نے اسرائیل کی ایک دہشت گرد تنظیم کی ممبر شپ کا بھی مطالعہ کیا۔ اس کا نام گش ایمانیم (Gush Emanium) ہے۔ اس کے معنی ہیں "وفاداروں کا بلاک" یہ ایک مذہبی جنونی تنظیم ہے جو 80 کی دہائی کے آغاز میں بہت فعال تھی۔ 1980 میں اس نے مسجد اقصیٰ کو تباہ کرنے کی کوشش کی۔ اس

کے علاوہ یہ تنظیم مغربی کنارے کے کئی میئروں کے قتل میں ملوث رہی ہے۔ اس کے ایک ممبر، ہیگائی سیگل نے ایک کتاب لکھی، ''Dear Brothers''۔ 1988ء میں لکھی گئی اس کتاب میں اس نے بہت سے ممبران کے بارے میں لکھا ہے۔ میں نے اس کتاب کے مواد اور دوسرے ذرائع سے اس تنظیم کے 27 ارکان کے بارے میں معلومات اکٹھی کیں۔ اس کا خلاصہ ٹیبل 1.7 میں دیکھا جا سکتا ہے۔ گش ایمانیم میں انجینئر، اساتذہ، ایک کمپیوٹر پروگرامر، ایک جغرافیہ دان اور ایک لڑاکا پائلٹ شامل رہے ہیں۔ اس کے ارکان معاشرے کے نمایاں طبقوں سے تعلق رکھنے والے رہے ہیں۔

Table 1.8 Characteristics of Israeli Jewish Underground Terrorists in the Early 1980s

Name	year of birth	Occupation	Undergroun activity
Katriela Avinoam	1965+	Army officer	Related to the conspiracy to blow up the Dome of the Rock mosque, 1980.
Dan Be'eri	1945	Established an elementary school in Kiryat Arba; foundar of the Barkai educational method	Related to the conspiracy to blow up the Dome of the Rock mosque, 1980 (left the group in 1982).
Haim Ben-David	1952	Geography and history expert	Related to the conspiracy to blow up the Dome of the Rock mosque, 1980, and participated in the attack on the National Guidance Committee, 1980.
Yeshua Ben-Shushan	1945	Not available	Instigated the conspiracy to blow up the Dome of the Rock mosque, 1980.

Yehuda Cohen	Not available	Yeshiva student	Carried out the reconnaissance on the Temple Mount.
Yossi Edri	Not available	Electrician	Participated in the acquisition of the clocks used in the attempt to blow up Arab buses, April 27, 1984.
Yehuda Etzion	1951	Farmer and writer	Prime mover in the Dome of the Rock conspiracy and key figure in the attacks on the West Bank mayors.
Yitzhak Ganiram (Akaleh)	1945	Teacher and speicial education instructor for learning-disabled youth	Participated in the attacks on the West Bank mayors; offered limited assistance in the Dome of the Rock conspiracy. Let the perpetrator r of the Islamic College killings use his car.
Aaron (Roni) Gilo	Not available	Army captain	Not a member of the underground, but used his military position to aid those involved in the those attacks on the West Bank mayors.
Benzion (Bentz) Heineman	1936	Religious scholar and farmer	Helped carry out the technical preparations for underground

			several operation.
Boaz Heineman	Not availabe	Owner of a farm and carpentry shop	Prepared explosives for the underground.
Yaakiv Heineman	1948	Air force combat pilot and farmer	Played a limited role in the conspiracy to blow up the Dome of the Rock mosque, 1980.
Shlomo Liviatan	Not available	Army officer	Played a limited role in the attack on the West Bank mayors.
Menachem Livni	1950	Engineer	Participated in planning all operations associated with the underground.
Uri Meier	Not available	Farmer	Participated in the aborted attack on Bethlehem's Dr. Ahmed Natshe.
Natan Natanson	1957	Not available	Involve in the attacks on the West Bank mayors.
Menachem Neuberger	1965	Yeshiva student	Participate d in gathering intelligence for the attack on West Bank the mayors.
Barak Nir	Not available	Teacher	Participated in the attack on the Islamic College and in the attempt to sabotage the Arab buses.
Shaul Nir	1954	Engineer	Involved in the Islamic College killings and initiated

			the attempt to blow up Arab buses.
Yitzchak Novik	1948	Chemist, farmer	Participated in the attacks on the West Bank mayors.
Gilad Peli	Not availabe	Farmer and israel geography expert	Participated in the attacks on the West Bank mayors; participated in the Dome of the Rock conspiracy.
Era Rappaport	1948	Not available	Participated in the attacks on the West Bank mayors.
Haggai Segal	1957	Reporter and university student	participated in the attacks on the West Bank mayors.
Uzi Sharbaf	1960	Physical education teacher	Involved in the Islamic College killings; initiated the attempt to blow up Arab buses.
Yosef Tzuria	1959	Computer programmer	Related to the conspiracy to blow up the Dome of the Rock mosque.
Noam Yinon	1957	Farmer	Convicted of supplying explosives to Menachem Livni and Shaul Nir.
Moshe Zar	1937	Land dealer	Driver in the attacks on the West Bank Mayors.

دہشت گردی میں شرکت کرنے والوں کے بارے میں پرانا لٹریچر

اس ٹیبل سے صاف واضح ہورہا ہے کہ دہشت گردوں کا تعلق سوسائٹی کے اعلیٰ طبقات سے تھا۔ یہ لوگ باعزت پیشوں سے منسلک تھے۔ دہشت گردوں پر موجود مواد زیادہ تر اخباری رپوٹوں سے حاصل کیا گیا ہوتا ہے اور اس کا آبادی سے کوئی موازنہ ان میں شامل نہیں ہوتا۔ القاعدہ کے معاملے میں بھی یہی بات نظر آتی ہے کہ وہاں بھی ایسے لوگ ہیں جن کا تعلق امیر گھرانوں سے ہے اور وہ خاصے تعلیم یافتہ ہیں۔ مارک سیگمن، جو عدالتی امور میں ماہر نفسیات ہیں اور سی آئی اے میں کیس افسر رہے ہیں، نے ایک کتاب لکھی ہے۔ Understanding Terrror Networks۔ یہ کتاب کلاسیفائیڈ معلومات پر مبنی ہے۔ اس میں انہوں نے دیگر باتوں کے علاوہ القاعدہ کے اراکین کے تعلیمی پس منظر اور پیشوں کا ذکر کیا ہے۔ تاہم اس کا موازنہ انہوں نے باقی آبادی سے نہیں کیا۔ ان کے سامنے یہ بات آئی ہے کہ 35 فیصد القاعدہ کے ارکان کالج کی سطح تک تعلیم یافتہ ہیں اور 45 فیصد ایسے ہیں جو کسی نہ کسی شعبے میں ماہر ہیں۔

میرا خیال ہے کہ اب تقریباً ہر کوئی اس خیال کا حامی ہوگیا ہے کہ دہشت گرد زیادہ تر ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھتے ہیں۔ امریکا کی لائبریری آف کانگرس نے سی آئی اے ایڈوائزری گروپ کے لیے ایک رپورٹ کی سمری تیار کی جس کا عنوان تھا:

(The Sociology and Psychology of Terrorism: who Becomes a Terrorist and why?) اس رپورٹ میں بھی یہی بات کہی گئی ہے۔ مجھے اس رپورٹ کا پہلی مرتبہ پتہ 11 ستمبر 2001ء کے بعد چلا تھا، جب بش انتظامیہ نے اس کا حوالہ دیتے ہوئے یہ کہا تھا کہ اگر کلنٹن انتظامیہ اس کے مندرجات پر غور کرتی تو شاید امریکا پر 9 الیون جیسے حملے نہ ہوتے۔ یہ ایک نچلے درجے کی رپورٹ تھی جسے ایک نچلی سطح کی کمیٹی نے تیار کیا تھا۔ میں نے اس رپورٹ کا بڑی باریک بینی سے مطالعہ کیا۔ اگرچہ میں نے اسے کافی دلچسپ پایا تھا مگر اس میں مجھے کہیں بھی دہشت گردوں کا، جہاز استعمال کرنے کا ذکر نہیں ملا۔ لیکن جب میں نے کنٹرول۔F ریسرچ سے کام لیا تو مجھے اس رپورٹ میں چھپا ہوا اشارہ ملا جس میں بتایا گیا تھا کہ القاعدہ اپنے اوپر 1998ء میں کیے گئے حملے کے جواب میں امریکا پر دھماکہ خیز مواد سے بھرے جہاز کے ذریعہ سے جوابی حملہ کرسکتی ہے۔ یہ حملہ وائٹ ہاؤس، پینٹاگون یا سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر پر کیا جاسکتا ہے۔ اس لحاظ سے میں اس رپورٹ کو بڑی اہمیت دیتا

ہوں اور اسے بڑا جامع قرار دیتا ہوں کہ اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ دہشت گرد تنظیمیں اب منظم، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور پیشہ ور افراد پر مشتمل ہیں اور اب وہ اس قابل ہو چکی ہیں کہ دہشت گردی کے لیے نت نئے طریقے ڈھونڈ نکالیں۔ میں یہاں بش انتظامیہ کو بھی کریڈٹ دیتا ہوں کہ انہوں نے بین السطور میں اس بات کو جان لیا تھا۔

شمالی آئیرلینڈ کا معمہ

کانگرس لائبریری کی رپورٹ میں ایک دلچسپ مقالہ بھی شامل ہے، جس میں دہشت گردی میں شامل ہونے والوں کے لٹریچر پر بحث کی گئی ہے۔ اس رپورٹ میں بھی اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ دہشت گردوں کی اکثریت کا تعلق مڈل کلاس یا اپر کلاس سے ہوتا ہے اور یہ یونیورسٹی کی حد تک تعلیم یافتہ ہو سکتے ہیں۔ تاہم اس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ آئرش ریپبلکن آرمی (IRA) کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اس کے ارکان بہت کم پڑھے لکھے ہوتے ہیں۔ کرسٹینا پاکسن جس کا تعلق پرنسٹن کے ووڈرو ولسن سکول سے تھا، نے 1968ء میں السٹر میں کیے جانے والے ایک سروے پر کام کیا۔ یہ سروے آئرلینڈ کی معیشت پر خراب دور آنے سے کچھ ہی عرصہ قبل کیا گیا تھا۔ سروے میں سوال یہ کیا گیا تھا کہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ السٹر کو آئرلینڈ میں شامل کرنے کے لیے کچھ بھی کیا جا سکتا ہے اور کیا اس سلسلے میں ہر قسم کا قدم اُٹھانا جائز ہوگا۔ 12 فیصد کیتھولک فرقے کے لوگوں کا جواب ہاں میں تھا جبکہ 81 فیصد نے اس بات سے اتفاق نہیں کیا۔ پاکسن نے یہاں پر دیکھا کہ تعلیم یافتہ طبقہ دہشت گردی کے خلاف تھا۔ اس کے حاصل کردہ نتائج کا تعلق آمدنی سے نہیں تھا۔

یہاں پر مشرق وسطیٰ سے معاملہ الٹ نظر آتا ہے۔ دہشت گردی کے حمایتی زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو معاشی بدحالی کا شکار ہیں۔ لیکن ٹائم سیریز کے تحت کیا جانے والا تجزیہ جو تھامسن نے 1989ء میں کیا تھا یہ ظاہر کرتا ہے کہ بے روزگاری کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں۔ اس سٹڈی میں شمالی آئرلینڈ کے 1922 سے 1989 تک کے واقعات کا جائزہ لیا گیا تھا۔ اس کے باوجود میرا یہ خیال ہے کہ کئی ایسے اشارے موجود ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ آئی آر اے کے ارکان ایک غیر متناسب شرح سے ورکنگ کلاس سے تعلق رکھتے تھے۔ ایسا ان علاقوں میں بھی تھا جہاں نسلی اور مذہبی گروپ موجود تھے۔ اس سے آئی آر اے کا معاملہ واقعی دیگر کیسوں سے الگ نظر آتا ہے۔

ایسا کیوں ہے؟ میرے پاس اس کا واضح جواب موجود نہیں۔ ایک جواب یہ ہو سکتا ہے کہ وہاں کی

وہ کلاس جس نے مڈل کلاس میں تبدیل ہو جانا تھا امریکا ہجرت کر گئی ایک اور وجہ جسے اکثر دیکھا گیا ہے کے مطابق کیتھولک فرقے کے خلاف امتیاز نے شمالی آئر لینڈ میں مڈل یا اپر مڈل کلاس کو بڑھنے سے روکے رکھا۔ میں اس وضاحت سے اتفاق نہیں کرتا کیونکہ کئی جگہوں اور حالات میں یہ دیکھا گیا ہے کہ جہاں یہ امتیاز پایا جاتا وہاں دہشت گردی میں حصہ لینے والے اکثر و بیشتر ایسے لوگ تھے جو امیر خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی تعلیمی سطح بھی زیادہ تھی۔ اس بارے میں آخری مفروضہ یہ دیا جا سکتا ہے کہ شمالی آئر لینڈ میں صورتحال گوریلا جنگ یا بغاوت جیسی ہے۔ کئی ایک جگہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بغاوت میں معاشی بدحالی کا شکار لوگ زیادہ حصہ لیتے ہیں۔

دشمن کو جانو

دہشت گرد اپنے دعوؤں یا پیغامات میں معاشی عوامل کا ذکر نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر عرب ٹی وی چینل ''الجزیرہ'' نے ایک ویڈیو نشر کی اس میں محمد صدیق خان نامی ایک شخص جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ لندن کے 7 جولائی 2005 والے واقعے کا لیڈر تھا' نے کہا تھا ''میں اور مجھ جیسے ہزاروں اپنا سب کچھ اس پر قربان کرنے کو تیار ہیں جس پر ہمارا ایمان ہے۔ ہمارا مقصد دنیاوی ذرائع کے پیچھے جانا نہیں''۔ اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اور اس جیسے کئی معاشی حالات کے تحت اپنا کام نہیں کر رہے۔ تاہم یہ ایک چھوٹے نمونے کو ظاہر کر رہا ہے۔ یہ بات مدنظر رہے کہ لندن کے اس واقعے میں ملوث افراد غریب خاندانوں کے نہیں تھے۔ خان نے اپنے بیان میں مزید یہ کہا تھا کہ وہ مغرب کی کارروائیوں کے جواب میں ایسا کر رہے ہیں۔

یہاں پر ہمارے سامنے بار بار مشاہدے میں آنے والا پیٹرن آ رہا ہے: وہ لوگ جو غریب یا تنگ دستی کا شکار ہیں اور کم تعلیم یافتہ ہیں ان کے دہشت گردی میں ملوث ہونے کے مواقع خاصے کم ہیں۔ ایسے لوگ دیکھا گیا ہے کہ دنیاوی امور میں الجھے رہتے ہیں اور ان کے نزدیک نظریات وعقائد کی زیادہ اہمیت نہیں ہوتی۔ جبکہ زیادہ پڑھے لکھے اور مالی لحاظ سے آسودہ انتہا تک جا سکتے ہیں یہ بات پبلک پول سے بھی ثابت ہو چکی ہے۔ کم پڑھے لوگ زیادہ تر کسی سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں یا ہمارا اس بارے میں کوئی خیال نہیں۔ ایسے پولز میں زیادہ تعلیم یافتہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ ان میں اعتماد ہوتا ہے اور یہ لوگ اپنی رائے، عقیدے کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ یہ ایک نظام پر یقین

رکھتے ہیں اور ووٹنگ کے لیے تیار رہتے ہیں۔ اپنے عقیدے اور رائے پر یقین ان لوگوں کو انتہا پسندی تک لے جاسکتا ہے۔

یہاں پر پھر یہ بحث ممکن ہے کہ معاشی حالات کا دہشت گردی سے تعلق ہوسکتا ہے باوجود اس حقیقت کہ دہشت گرد اونچے طبقوں سے تعلق رکھتے ہوں۔ ہوسکتا ہے وہ معاشی اونچ نیچ یا ناانصافیوں کے خلاف اپنا ردعمل ظاہر کر رہے ہوں۔ میں اسے رابن ہڈ طرز کی دہشت گردی قرار دیتا ہوں۔ اپنے اگلے لیکچر میں دہشت گردی کے بارے میں اس نظریے پر شکوک وشبہات کا ذکر کروں گا۔

یہاں پر تحریک کی سپلائی (شرکا کی) کا اس کے سائز یا ممبر شپ سے بہت تعلق ہے۔ اگر دہشت گرد تنظیم چھوٹی ہو تو اس میں ایلیٹ کلاس کے لوگوں کے ہونے کے زیادہ چانسز ہیں اور یہ وہ لوگ ہونگے جو ایک مقصد کے پیچھے ہوتے ہیں اور یہی بانیوں میں ہوتے ہیں۔ اب اس تنظیم کو آگے بڑھنا ہے اور بڑے ہونا ہے لہٰذا اسے لوگوں کی ضرورت ہوگی۔ اب نئے آنے والے ہوسکتا ہے نظریے کی بجائے پیسے کے پیچھے ہوں اور یہی لوگ غریب ہوتے ہیں۔ بغاوت برپا کرنے کے لیے ایک دہشت گرد یا باغی گروپ کو ایک مقررہ سطح تک آنا ہوتا ہے اور یہیں پر اس میں کرائے کے لوگوں کی شمولیت کا آغاز ہوتا ہے۔

ڈیمانڈ کی طرف اگر ہم دیکھیں تو نظر آتا ہے کہ دہشت گرد تنظیمیں ایسے افراد کو ترجیح دیتی ہیں جو اعلیٰ مہارت یافتہ ہوں کیونکہ اپنی کارروائیوں کے لیے مہارت اور علم ہونا بہت ضروری ہے۔ لندن میں جو دو بم حملے ہوئے وہ اس بات کی واضح مثال ہیں۔ تحقیق سے سامنے آیا ہے کہ پہلا حملہ کرنے والے اعلیٰ تربیت یافتہ تھے جبکہ دوسرا حملہ جو کہ زیادہ خطرناک نہ تھا کے پیچھے ایسے لوگ تھے جو کم پڑھے لکھے اور کم تربیت یافتہ تھے۔ افرین بن ملیچ اور کلاڈ بیری بی نے حال ہی میں ایک مقالہ شائع کیا ہے جس میں انہوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ''موثر اور کامیاب خودکش حملے ان اہداف پر کیے جاتے ہیں جن سے بہت فوائد وابستہ ہوں۔'' اس بات کے ثبوت میں انہیں کئی شواہد اس تجزیے کے دوران ملے تھے جو انہوں نے اسرائیل کے خلاف کامیاب یا ناکام حملوں کے بارے میں کیا تھا۔ جب بین الاقوامی دہشت گردی کا معاملہ ہو تو ایسا شخص چنا جاتا ہے جو ایک بیرونی معاشرے کے لیے بالکل اجنبی ہو اور اس کی موجودگی یا غیر موجودگی سے کوئی فرق نہ پڑے۔ بین الاقوامی دہشت گردی کے لیے ان افراد کو منتخب کیا جاتا ہے جو خاصے پڑھے لکھے ہوں اور ان کی فیملی بیک گراؤنڈ اچھی ہو۔

شہیدوں کے لیے مارکیٹ

زیادہ تر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ دہشت گردوں کے لیے زندگی بے معنی ہوتی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جس کا کسی نہ کسی عقیدے، نظریہ پر بڑا پکا اعتقاد ہوتا ہے اور وہ اس کے لیے جان تک کی پرواہ نہیں کرتے۔ میں دہشت گردی کو ایک مارکیٹ خیال کرتا ہوں جس میں سپلائی اور ڈیمانڈ دونوں موجود ہیں۔ (7) یہاں پر افراد چھوٹے گروپوں یا انفرادی طور پر ان دہشت گرد تنظیموں کو اپنی خدمات سپلائی کرتے ہیں۔ یہ تنظیمیں انہیں شامل کر کے تربیت کے بعد مشن دیتی ہیں۔

سپلائی کے معاملے کو دیکھا جائے تو جرائم اور خودکشی کا معاشی پہلو اور دیگر مواقع یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہاں پر وہ لوگ آئیں گے جن کے پاس بہتر زندگی کے کم سے کم مواقع ہیں۔ زندگی کے دیگر شعبوں میں ناکام لوگ ہی جرائم یا خودکشی کی جانب راغب ہوتے ہیں۔ لیکن جب دہشت گردی کی بات آئے تو یہاں پر کئی پہلو اور بھی ہو سکتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ معاشی عنصر یا پہلو اس سلسلے میں بالکل نظرانداز کیا جائے۔ جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے یہاں پر سیاسی عقائد کی بڑی اہمیت ہے اور اس سے زیادہ پڑھے لکھے لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ ڈیمانڈ کے پہلو پر غور یہ دکھاتا ہے کہ یہ دہشت گرد تنظیمیں کامیاب ہونا چاہتی ہیں لہٰذا یہ ایسے لوگوں کا انتخاب کرتی ہیں جو اس قابل ہوں۔ یہ سامنے آنا نہیں چاہتیں اس کے لیے وہ بے ترتیب یا بے قاعدہ حکمت عملی وضع کرتی ہیں۔ یہ تنظیمیں سیاسی رنجش کی بنا پر دہشت گردوں کی خدمات حاصل کرتی ہیں اور اکثر یہ اس سلسلے میں اوقات، طریق کار اور اہداف کے معاملے میں ایک حکمت عملی پر کام کرتی ہیں۔

'اتیا کون'' نے 2003ء میں اپنے کام سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ میری تحقیق کے مطابق ہے، یعنی یہ کہ سپلائی سائیڈ کو تبدیل کرنا بہت مشکل ہے۔ وہ لوگ جو کسی مقصد کے حصول کے لیے اپنی جانوں پر کھیلنے کو تیار ہوتے ہیں کئی باتوں یا پہلوؤں سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم ایک پہلو کو دیکھیں مثلاً غربت کو تو دیگر پہلو رہ جاتے ہیں جو ان کے دہشت گردی میں شامل ہونے کا باعث ہوں گے۔ سپلائی اس لحاظ سے بہت لچک دار ہے۔ یہ دہشت گرد گروپس مختلف پس منظر (بیک گراؤنڈ) والے لوگوں کو ایک دوسروں سے بدلنے میں کافی ماہر دکھائی دیتے ہیں۔ لہٰذا میرے نزدیک یہ بہتر ہے کہ ہم ڈیمانڈ کے پہلو پر اپنی توجہ مرکوز رکھیں۔ مثلاً دہشت گرد تنظیموں کی معاشی و فنی صلاحیتوں کو ختم کر دینا اور پرامن طریقے سے کسی قانون یا زیادتی کے خلاف احتجاج کرنے والوں کو بھرپور طریقے سے تحفظ فراہم کرنا۔ ایسا کر کے

ہم ڈیمانڈ کو بہت کم کر سکتے ہیں۔ وہ پالیسیاں جن سے کام لے کر لوگوں کو دہشت گرد تنظیموں میں جانے سے روکا جاتا ہے، میں انہیں زیادہ موثر نہیں سمجھتا۔

نتیجہ

آخر میں ہمیں یہ سوال پوچھنا چاہیے، ایسا کیوں مشہور ہے کہ غربت اور ناکافی تعلیم دہشت گردی کا باعث ہیں۔ عام لوگ اس خیال سے بہت متاثر نظر آتے ہیں اور اس عقیدے کے پرزور حامی ہیں کہ غربت اور جہالت ہی دہشت گردی کی جڑ ہیں اور یہی کچھ دنیا کے رہنما بھی کہتے نظر آتے ہیں (آپ یہ لیکچر کے شروع میں سن چکے ہیں)۔

میری اس بارے میں کچھ آراء ہیں کہ کیوں اسی خیال کو اتنی اہمیت حاصل ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہم لوگ دنیا کو مغرب کی مادہ پرستانہ یا مادی و دنیاوی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور ہمیں معاشی پہلو بہت مضبوط نظر آتے ہیں اور ہم یہ رائے دے دیتے ہیں کہ ہم پر حملہ کرنے والے چونکہ غریب ہیں، ان کے پاس وسائل نہیں، سہولیتیں نہیں لہٰذا وہ حسد سے یا جلن سے ایسا کرتے ہیں کہ ہم کیوں ان سہولیات زندگی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ دنیا کے بہت سے لیڈر اس بات سے فائدہ اٹھا کر امیر ممالک سے امداد حاصل کر رہے ہیں کہ وہ غربت اور جہالت کے خلاف صف آراء ہیں جبکہ اس امداد کو یہ لوگ اپنے ذاتی استعمال میں لا رہے ہیں یا ایسا واویلا وہ لوگوں کی اصل مسائل سے توجہ ہٹانے کے لیے مچاتے ہیں یعنی اپنی استحصال پر مبنی پالیسیوں کو چھپانے کے لیے بھی ایسا کیا جا رہا ہے۔ یہ بحث اس وقت اور بھی پیچیدہ ہو جاتی ہے جب ہم یہ مفروضہ پیش کرتے ہیں کہ دہشت گرد اُن سیاسی رنجشوں کی بنا پر اپنی کارروائیاں کرتے ہیں جن کا تعلق امریکا کی مشرق وسطیٰ میں موجودگی سے ہے مثلاً امریکی فوج کا خلیج فارس میں ہونا اور امریکا کا عرب ریاستوں کے حکمرانوں کو سپورٹ کرنا وغیرہ۔ اب اگر بات سیاسی رنجش کی ہے تو ہمیں انہیں دور کرنے کے لیے کام کرنا ہوگا جبکہ ہم یعنی مغرب ہو سکتا ہے کہ ان کا سامنا نہ کرنا چاہتے ہوں۔ مغرب ان سیاسی رنجشوں یا محرومیوں کے بارے میں اگر کوئی رائے رکھتا ہے تو وہ اس میں حق بجانب ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر مغرب والے یہ سوچتے ہیں کہ ہماری پالیسیوں سے دہشت گردی نہیں ہوتی تو وہ غلطی پر ہیں۔ یہاں پر Response Function قانون لاگو ہوتا ہے یعنی ایک پارٹی اگر کچھ کرتی ہے تو فوراً دوسری کو بھی کچھ کرنا ہوگا۔ مثلاً ایک ایئر لائن اگر اپنا کرایہ کسی منزل کے لیے گھٹاتی ہے تو اسے

مقابلے میں موجود دوسری ائیر لائن سے بھی ایسی توقع رکھنی چاہیے۔ ایسا ہی فارن پالیسی کے معاملات میں ہوسکتا ہے اور ہوتا ہے۔ یہ تسلیم کرنا بہت ضروری ہے۔

مجھے یہاں یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ اگر غربت اور جہالت دہشت گردی کے اہم ترین اسباب میں سے تو نہیں ہیں مگر یہ اس کے حل کا حصہ ضرور ہو سکتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اگر ان دو پہلوؤں پر ہی توجہ دی جائے تو دہشت گردی کا مسئلہ حل ہوسکتا ہے تاہم دنیا میں ان کا خاتمہ بھی ضروری ہے۔ میں نے اپنے اس لیکچر میں ایسا کچھ نہیں کہا جو اس خیال کے خلاف ہو۔ اگر تعلیم ہی اس مسئلہ کا حل ہوتی تو زیادہ پڑھے لکھے لوگ، سکول جانے والے، یونیورسٹی میں تعلیم پانے والے اس جانب کبھی نہ جاتے جبکہ آپ جانتے ہیں حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہاں پر اس تحقیق کا کیا جانا ضروری ہے کہ کس قسم کی تعلیم اور تعلیمی مواد لوگوں میں برداشت اور دوسروں کے لیے مثبت جذبات پیدا کرسکتا ہے اور لوگ تشدد کے راستے کی بجائے پرامن طریقوں سے احتجاج کریں بجائے اس کے کہ وہ دہشت گردی کا راستہ اپنائیں۔

مجھے اس بات کا خوف ہے کہ غربت اور دہشت گردی میں ایک بے حقیقی تعلق قائم کرنا خطرناک ہوسکتا ہے۔ اگر ہم بھی صدر بش کی طرح سے بین الاقوامی امداد کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کا حصہ سمجھ لیں تو دہشت گردی ختم ہوتے ہی ایسی مدد رک جائے گی یا کم ہوجائے گی جیسا کہ سرد جنگ کے خاتمے پر ہوا تھا۔ اس سے افریقہ کے کچھ ممالک میں انتہائی خوفناک مسائل نے جنم لیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ مغرب کی یہاں پر بہت بڑی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ دنیا بھر میں معاشی ترقی کی حمایت کرے۔ اگر ہم دہشت گردی کو غربت سے جوڑتے رہے تو اس سے دونوں مسائل یعنی دہشت گردی اور غربت دونوں اپنی اپنی جگہ پر رہیں گے۔

لیکچر نمبر 2:

دہشت کہاں سے جنم لیتی ہے؟
سیاسی و معاشی حالات اور دہشت گردی

اس لیکچر میں میں معاشرے یا ملک کی سطح پر دہشت گردی کا جائزہ لوں گا۔ اس کا آغاز اس ڈیٹا سے ہوگا جو امریکی حکومت نے بین الاقوامی دہشت گردی کے بارے میں اکٹھا کیا ہے۔ میں نے یہاں پر جلد ہی یہ بات جان لی تھی کہ دہشت گردی اور دہشت گردوں کے بارے میں جاننے کے لیے ایک بہتر ڈیٹا کی ضرورت ہے اور یہاں پر اس بات کا بھی میں ذکر کروں گا کہ کیسے متعلقہ حکومتیں اس کے بارے میں معلومات کو گڈمڈ کر دیتی ہیں۔ اس کے باوجود میں عراق میں بغاوت کے بارے میں اس ناقص ڈیٹا کا تجزیہ کرتے ہوئے چند نئے شواہد پیش کروں گا۔

امریکی حکومت کی دہشت کے گردی کے بارے میں (ناقص) تصدیق

امریکی حکومت کو اپنے خلاف ہونے والی دہشت گردی کے بارے میں بہتر اور جامع ڈیٹا حاصل کرنے پر بہت توجہ دینی چاہیے۔ پچھلے کئی برسوں سے امریکی حکومت نے اپنے شہریوں کو اس سلسلے میں اپنے اقدامات سے بمشکل ہی آگاہ کیا ہے، انہیں بہت کم اس بارے میں بتایا گیا ہے کہ ان کے ڈالر کہاں خرچ کیے جا رہے ہیں اور حکومت دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے کیا اقدامات کر رہی ہے یا وہ صرف ہمارے کاز کو ہی نقصان پہنچا رہی ہے۔

ابھی حال ہی میں امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے کانگرس کے حکم پر ایک رپورٹ تیار کی ہے جس کا عنوان ہے: Patterns of Global Terrorism اس رپورٹ کو ہم دہشت گردی پر ایک معتبر ترین عام لوگوں کے لیے تیار کیا گیا ڈیٹا کہہ سکتے ہیں۔ امریکی حکومت کے کوڈ نمبر 22 کے سیکشن نمبر 2656 کے مطابق ''وزیرِ خارجہ کو ہر ملک کے لیے بین الاقوامی دہشت گردی کی سرگرمیوں کے لیے پچھلے سالوں کے دوران رپورٹ دینا ہوتی ہے۔، اس میں دہشت گرد گروپ جس کے لیے دہشت گرد کام کرتے ہیں۔ ان کے فنانسر (ملک یا تنظیمیں وغیرہ) کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ اس رپورٹ میں دہشت گردی کی ایک تعریف بھی کی گئی ہے جس کے مطابق پہلے سے تیار کیا گیا، سوچا گیا سیاسی پر تشدد واقعہ یا حادثہ جو بے ضرر عوام اور اہداف کے خلاف کیا جائے اور جس میں بیرونی سازشی ایجنٹوں یا اس ملک کے اندر موجود مخالف عناصر شامل ہوں اور اس کا مقصد لوگوں کو متاثر کرنا ہو۔ بین الاقوامی دہشت گردی کی اصطلاح کا مطلب ہے ایسی دہشت گردی جس میں ایک سے زیادہ ملک کے باشندے اور علاقے شامل ہوں۔

یہاں پر ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کا یہ دعویٰ ہے کہ دہشت گردی کی تعریف امریکن کوڈ سے لی گئی ہے۔ اس میں جو اصل تعریف ہے اس میں یہ بات نہیں: ''اس کا مقصد لوگوں کو متاثر کرنا یا ان تک اپنا پیغام پہنچانا ہے۔'' تاہم میرا خیال ہے کہ یہ نکتہ اہم ہے اور اس سے متعلقہ واقعات پر مزید گہری نظر پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر سیاسی قتل یا بڑے پیمانے پر کی جانے والی نسل کشی اس زمرے میں نہیں آتی۔ ان کا مقصد عام لوگوں تک کوئی پیغام پہنچانا نہیں ہوتا کیونکہ یہ افراد یا گروپوں کے خلاف ذاتی نفرت کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔ جیسا کہ میں پہلے لیکچر میں ذکر کر چکا ہوں میں ریاستی دہشت گردی سے انکاری نہیں ہوں، اس لیکچر میں میرا موضوع ہے وہ دہشت گردی جو افراد یا ریاست میں موجود تنظیموں کی جانب سے کی جاتی ہے۔

امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے پرامن لوگوں کی تعریف میں بھی ترمیم کی ہے، اس کے مطابق ان میں شہریوں کے ساتھ ساتھ وہ فوجی شامل ہیں جو غیر مسلح اور ڈیوٹی پر نہیں ہوتے۔

حکومت اس بات کا جائزہ لے رہی ہے کہ دہشت گردی میں ان حملوں کو بھی شامل کر دیا جائے جو فوجی تنصیبات یا فوج کے عملے پر کیے جاتے ہیں جب وہ اس جگہ پر حالت جنگ میں نہ ہوں۔

اس رپورٹ (Patterns of Global Terrorism) کا اپنڈکس A بعد میں آنے والے برسوں میں ہونے والے دہشت گردی کے واقعات کی ایک اہم فہرست پیش کرتا ہے۔ اس میں ایسے دہشت گردی کے واقعات کی مفصل تفصیلات درج ہیں کہ کہاں اور کب اور کس کے خلاف یہ حملے کیے

گئے تھے اور کون ان کے پیچھے تھا۔ ان سے مجھے اپنے کام میں بڑی مدد ملی ہے۔ میں نے 1997-2002 کے درمیان ہونے والے ایسے واقعات کا تجزیہ کیا اور اسے جیٹیکا میلی کووا کے ساتھ مل کر (Journal of Economic Perspective) میں شائع کیا۔ اس کے بعد میں نے اس ڈیٹا کو 2003 تک پھیلا کر اس کو یہاں پیش کیا ہے۔

اس رپورٹ کے متن میں دہشت گردی کے واقعات کا بڑی تفصیل اور عمدگی سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں ان واقعات کو بھی جگہ دی گئی ہے جو زیادہ اہم نہیں سمجھے جاتے۔ اس رپورٹ کے مطالعے کے دوران جب میں 2003ء تک پہنچا جو 29 اپریل 2004 کو منظر عام پر آتی تھی، میں نے ایک بے ربطگی کو نوٹ کیا (یہ اس سال کے لیے خاصی زیادہ نظر آئی بہ نسبت اور برسوں کے)۔ اس رپورٹ میں موجود چیک دار گرافوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ 2000 میں دہشت گردی کے واقعات 420 ہوئے تھے جبکہ 2003ء میں ان کی تعداد میں خاطر خواہ کمی نوٹ کی گئی یہ 190 تک رہ گئے تھے۔ (دیکھیں فگر (2.1) تاہم اس اپنڈکس میں دیے گئے حملے 1982 سے بڑھتے ہی رہے ہیں جب اس رپورٹ کی تیاری شروع کی گئی تھی۔ امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کا دعویٰ ہے کہ جب سے انہوں نے دہشت گردی کے بارے میں اس رپورٹ کو شائع کیا تو اس کے واقعات بہت کم رہ گئے تھے، اس بنا پر ڈیپارٹمنٹ کے افسروں کا کہنا ہے کہ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ امریکی حکومت دہشت گردی کے خلاف ایک موثر کارروائی میں مصروف ہے

فگر 2.1۔ 1982 سے لے کر 2003 تک بین الاقوامی دہشت گردی۔ کے واقعات

2003ء کی رپورٹ میں بہت سی غلطیاں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر اپنڈکس A کا مقصد یہ ہے کہ سارے سال کی ایسی سرگرمیوں کا تفصیل سے ذکر کیا جائے، اس کے حساب سے 2003ء میں ایسا آخری حملہ 11 نومبر کو ہوا تھا جبکہ 15 نومبر کو ترکی میں یہودیوں کی دو عبادت گاہوں برطانوی قونصلیٹ اور بنک پر خطرناک حملے ہوئے تھے اور اس کے کچھ دن کے بعد سعودی عرب میں دہشت گردی کا ایک بڑا واقعہ ہوا تھا۔ ان حملوں کا دنیا بھر میں چرچا ہوا تھا لیکن انہیں اس رپورٹ میں جگہ نہیں دی گئی۔ میں نے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ سے اس سلسلے میں رجوع کیا، شاید ایسا پرنٹنگ میں غلطی کی بنا پر ہوا ہوگا کیونکہ ان کا ذکر فگرز میں تو ہے مگر رپورٹ میں نہیں۔ مجھے کوئی تسلی بخش جواب نہ مل سکا تھا۔

اس واقعے کے جواب میں، ڈیوڈ لیٹن اور میں نے ''واشنگٹن پوسٹ'' میں 17 مئی 2004ء کو ادارتی صفحے پر ایک مضمون تحریر کیا تھا اس میں ہم نے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ پر اس ڈیٹا کو غلط انداز سے پیش کرنے کا الزام لگایا تھا۔ یہ الزام بہت بڑا تھا، بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ اس رپورٹ کو ناقص طریقے سے تیار کیا گیا تھا۔ افسر اس کو سامنے رکھ کر یہ کہہ رہے تھے کہ ہم نے دہشت گردی کو خاطر خواہ حد تک کم کر دیا ہے مگر ہم نے اس کے بغور مطالعہ سے یہ دریافت کیا تھا کہ ان میں 2001ء اور 2004ء کی درمیانی مدت میں اضافہ ہوا تھا۔ 2003 میں حملے 169 تھے جبکہ 2001ء میں ان کی تعداد 124 رہی تھی۔ بلاشبہ 169 کی یہ فگر بڑی تعداد میں حملوں کو ظاہر کر رہی ہے۔ جب سے اس ڈیٹا کو اکٹھا کرنا شروع کیا گیا ہے۔

اخبار میں ہمارے اس مضمون کے شائع ہو جانے کے بعد مجھے قوی یقین تھا کہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے کسی قسم کا ردعمل ظاہر کیا جائے گا اور کئی دوسرے اخباری نمائندے بھی اس بات کے پیچھے جائیں گے مگر تین ہفتے گزرنے کے باوجود ہمیں اس قسم کا کوئی اشارہ نہ مل سکا۔ امریکا میں ان دنوں دہشت گردی صدارتی الیکشن کے ایجنڈے میں سرفہرست تھی مگر اس کے باوجود حکومت کی اس اہم ترین رپورٹ میں غلطیوں کا کوئی بھی ذکر نہیں کیا جا رہا تھا۔ 10 جون کو رچرڈ باوچر، جو کہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ترجمان ہیں نے ایک پریس کانفرنس کا انعقاد کیا۔ اس میں انہوں نے تسلیم کیا تھا کہ اس رپورٹ کی تیاری میں غلطیاں رہ گئی ہیں۔ انہوں نے اعلان کیا کہ جلد ہی ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے اس رپورٹ کو درست اور غلطیوں سے پاک کر کے شائع کیا جائے گا۔ باوچر کے مطابق دہشت گردی کے جن واقعات کا اس رپورٹ میں ذکر کیا گیا ہے ان کے نتیجے میں ہونے والے نقصان کو 50% کم بتایا گیا ہے۔ باوچر

نے ایک بیان دیا جسے میں عجیب اور مضحکہ خیز کہوں گا۔ باوچر نے کہا ''ہم نے دعوے ان حقائق کو سامنے رکھ کر کیے تھے جو بعد میں غلط ثابت ہوئے۔'' یہ وہی زبان ہے جو ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے عراق کے بارے میں استعمال کی گئی تھی، جب یہ کہا گیا تھا کہ ہم مہلک ہتھیاروں کے بارے میں غلطی پر تھے'' باوچر کے اس بیان کے چند دنوں بعد وزیر خارجہ کولن پاول نے ایک سیاسی ٹی وی شو ''میٹ دی پریس'' میں ٹم رسرٹ کو انٹرویو دیا تھا اس کا کچھ حصہ یہاں پر موجود ہے۔

رسرٹ: آپ کی بین الاقوامی دہشت گردی کے بارے میں رپورٹ کو اب چیلنج کیا جارہا ہے۔ آپ کے ڈپٹی آرمی ٹیج نے اپریل میں کہا تھا ''بے شک ان صفحات سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم دہشت گردی کے خلاف جنگ میں کامیابی حاصل کر رہے ہیں۔'' رپورٹ بھی ایسا ہی ظاہر کر رہی ہے۔۔یعنی 2003 میں ایسے واقعات 190 ہوئے بہ نسبت 2002ء کے جس کے دوران ایسے واقعات کی تعداد 198 تھی یعنی تھوڑی سی کمی اور 2001ء کے مقابلے میں 45 فیصد کمی جب ایسے حملوں کی تعداد 346 تھی۔ 2003ء کا جائزہ لیا جائے تو 1969ء کے مقابلے میں ایسے واقعات میں بہت کمی دکھائی دیتی ہے'' اس کے بعد پرنسٹن اور سٹیفورڈ کے دو پروفیسروں نے اس رپورٹ کا بغور مطالعہ کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ''اس میں مخفی ڈیٹا حکومتی دعووں کی نفی کرتا ہے۔ دہشت گردی میں 2001ء سے 2003ء کی درمیانی مدت میں 36 فیصد تک اضافہ ہوا۔ یہاں تک کہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے اعلیٰ افسروں کی سالانہ رپورٹوں نے بھی ایسا ہی ظاہر کیا ہے کہ دہشت گردی میں 2001ء سے اضافہ ہو رہا ہے۔ 2003ء میں دہشت گردی پچھلے 20 سالوں میں بلند ترین سطح پر تھی۔'' ہنری واکس مین جو کہ ڈیمو کریٹ پارٹی کے کیلی فورنیا سے تعلق رکھنے والے کانگرس کے رکن ہیں کا کہنا ہے کہ آپ لوگ اس ڈیٹا کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔

پاول: نہیں ہم ایسا نہیں کر رہے۔ اس رپورٹ میں ڈیٹا درست نہیں۔ اگر آپ اس رپورٹ میں شروع کا بیان پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ ایک مشکل کام ہے اور ہم اپنے پاس موجود تمام تر ذرائع سے کام لے کر ایسا کر رہے ہیں۔ مگر اس ڈیٹا کے اکٹھا کیے جانے کے دوران کچھ مسائل پیدا ہو گئے تھے، اب ہم ان کو حل کرنے جارہے ہیں۔ اس مقصد کے لیے کئی ٹیمیں سارا سارا ہفتہ کام کر رہی ہیں۔ میں ڈیپارٹمنٹ میں سی

آئی اے سے کل ایک میٹنگ کر رہا ہوں اس میں دوسری ایجنسیاں ٹیررسٹ تھریٹ انفارمیشن سنٹرز وغیرہ بھی شامل ہونگی۔ ہم سب اس بات کا جائزہ لیں گے کہ ایسا کیوں ہوا تھا۔ تاریخیں دینے میں اور شفٹ کرنے میں غلطیاں ہوئی ہیں۔ یہ سب کچھ ڈیٹا اکٹھا کرنے کے دوران ہوا تھا ہم اس کی تہہ میں جلد پہنچ جائیں گے۔ ہم درست رپورٹ شائع کریں گے۔ اس میں کوئی سیاسی پہلو نہیں ہیں خود واکس مین سے بات کروں گا۔

سرٹ: کیا یہ ڈیٹا سی آئی اے کا تھا؟

پاول: ایسا ڈیٹا ایجنسیوں کی مشترکہ کوششوں سے حاصل ہوتا ہے، اس میں کچھ سی آئی اے کا فراہم کردہ ہے۔ ٹیررسٹ انفارمیشن سنٹر اسے ہم تک پہنچاتا ہے۔ ڈیٹا میں غلطیاں رہ جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ اس میں کوئی سیاسی مفاد والی بات نہیں۔ ہم اس غلطی کو درست کر رہے ہیں۔

سرٹ: لیکن اس سے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔

پاول: یقیناً ایسا ہوا ہے میں بھی اس سے خوش نہیں ہم سے غلطی ہوئی ہے۔

(شو میں کولن پاول کے آنے کے بعد اناونسر نے لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے اس بارے میں ایک طنز آمیز تنقید کی۔ اس کا کچھ حصہ:)

اناونسر: 14 جون 2004ء کامیڈی سنٹرل کے ورلڈ نیوز ہیڈ کوارٹر واقع نیویارک سے یہ جون سٹورٹ کے ساتھ ڈیلی شو ہے۔

سٹورٹ: ہم آج رات کا آغاز دہشت گردی کے خلاف جنگ کے بارے میں اچھی خبر سے کرتے ہیں۔ دو ماہ قبل سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے دنیا بھر میں دہشت گردی کا ایک سروے 2003 تک پیش کیا تھا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ 1969 سے لے کر 2003 تک ایسے واقعات میں بہت کمی آئی ہے۔ ڈپٹی سیکرٹری آف سٹیٹ رچرڈ آرمی ٹیج کے مطابق ''ان صفحات سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ہم دہشت گردی کی جنگ میں کامیابی حاصل کر رہے ہیں۔

ہم نے دہشت گردوں مثلاً بن لادن کو اب ڈیفنس پر مجبور کر دیا ہے۔ ٹھہریں انتظار کریں ابھی ابھی مجھے پتہ چلا ہے کہ یہ رپورٹ غلط ہے۔ ہم نے اس میں سعودی عرب اور ترکی میں ہونے والے بم حملوں کا ذکر نہیں کیا۔ یہ حملے نومبر میں اس وقت ہوئے جب یہ رپورٹ چھپ رہی تھی لہٰذا انہیں شامل نہیں کیا

گیا۔ لگتا ہے کہ ہماری حکومت وہی لوگ چلا رہے ہیں جو آپ کی سالانہ سکول بک تیار کرتے ہیں۔

اس رپورٹ میں کئی غلطیاں ہیں، سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ایک افسر کے مطابق اگر ان غلطیوں کی درستگی 8 صفحات لے لے گی۔ کولن پاول بھی اس سے پریشان ہیں۔ یہ غلطی انتظامیہ کی جانب سے ہوئی ہے اور اسے تسلیم کیا گیا ہے۔ ایماندارانہ غلطی! آٹھ صفحات اب درستگی کے پہلا صفحہ یا دو صفحے یا تیسرا صفحہ۔ میرا خیال ہے کہ چھٹے صفحے تک آپ جھوٹ ہی پڑھیں گے۔ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے اعلان کیا ہے کہ جلد ہی وہ درست رپورٹ شائع کریں گے۔

یہ کلپ مزاحیہ ضرور تھا مگر اسے ہم مکمل طور پر درست نہیں کہہ سکتے۔ جون سیٹورٹ اور سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ایک ترجمان دونوں نے یہ غلط کہا تھا کہ 11 نومبر کے بعد ہونے والے دہشت گردی کے حصوں کا ذکر رپورٹ میں اس وجہ سے نہیں کیا گیا کیونکہ رپورٹ پرنٹنگ کے لیے پریس میں جا چکی تھی۔ جبکہ ایسا اس وجہ سے ہوا تھا کہ ان واقعات کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی تھی اس کا مطلب یہ ہے کہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے ہلاک شدگان کی تعداد کو ٹھیک طرح سے چیک نہیں کیا تھا۔ اس کے باوجود کولن پاول کا یہ کہنا کہ رپورٹ درست ہے۔ عجیب سا لگتا ہے۔ اس رپورٹ میں کئی باتیں متن میں ایسی ہیں جن کا ڈیٹا میں کوئی حوالہ نہیں۔

بجائے اس کے کہ یہ رپورٹ کسی ماہر معاشیات کے لیے منطقی حیثیت رکھتی، سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کا مقصد بظاہر یوں لگتا ہے کہ یہ تعلقات عامہ اور عوامی حکمت عملی کے لیے ہے۔ 2003ء میں صدر بش نے اپنے سٹیٹ آف دی یونین ایڈریس میں بڑے دھوم دھڑکے سے TTIC یعنی (Trrorist Threat integration Centre) کے قیام کا اعلان کیا۔ اس نئی ایجنسی کو یہ کام سونپا گیا کہ وہ حکومت کے لئے دہشت گردی کے بارے میں تمام معلومات کو اکٹھا کرے۔ مجھے اس بات کا شبہ ہے کہ سی آئی اے نے اسے وہ تمام کام سونپنے کا فیصلہ کیا ہوگا جو وہ خود نہیں کرنا چاہتے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک اور مسئلہ بھی ہوا وہ یہ کہ وہ شخص جو سی آئی اے میں کمپیوٹر پر اس ڈیٹا کو اکٹھا کرنے کا ذمہ دار تھا نے بھی ادارے کو چھوڑ دیا اور اس کی جگہ ایک بیرونی کنٹریکٹر کو دے دی گئی۔ یہ حکومتی کارکردگی کی ایک ناقص مثال کہی جا سکتی ہے۔

اس رپورٹ میں بہت کم ایسی معلومات دی گئی ہیں جن سے پتہ چل سکے کہ ڈیٹا کیسے اکٹھا کیا گیا تھا۔ اس میں کہا گیا ہے کہ حکومت کا انسی ڈینٹ ریوو پینل نامی ادارہ ہر دہشت گردی کے حملے کا جائزہ لے کر اس بارے میں فیصلہ کرتا ہے کہ یہ کتنا اہم ہے۔ تاہم اس میں یہ نہیں بتایا گیا کہ کس واقعے

کو کس بنیاد پر اہمیت دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ پینل کے معلوماتی ذرائع، اس کے ممبران وغیرہ کے بارے میں کچھ بھی نہیں دیا گیا۔ مثال کے طور پر ہمیں صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ ممبران خاصے پڑھے لکھے اور تجربہ کار تھے۔ تاہم انہیں اتنی بار تبدیل کیا گیا تھا کہ ان کے بارے میں کم سے کم معلومات حاصل ہو سکتی تھیں۔

تعمیری اور مثبت بننے کی کوشش میں، میں نے اور ڈیوڈ لیٹین نے فارن افیرز کے لیے ایک آرٹیکل تحریر کیا۔ اسے متعلقہ جرنل نے ''Misunderestimating terrorism'' کے زبردست عنوان کے ساتھ شائع کیا۔ اس آرٹیکل میں ہم نے تجویز دی کہ حکومت کو معاشی اعداد و شمار سے سیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ماضی میں صدر نکسن کے دور میں ایسا کیا گیا تھا۔ صدر نکسن نے یہ حکم دیا تھا کہ کچھ وفاقی ملازمین کو، جو ان کے مطابق ڈیٹا کو غلط طریقے سے پیش کر رہے تھے بیورو آف لیبر کے اعداد و شمار والے ڈیپارٹمنٹ میں ٹرانسفر کر دیا جائے۔ اس کے بعد ایسا طریق کار وضع کیا گیا کہ سیاسی افسروں اور صدر کو بھی ڈیٹا پر رائے دینے سے روک دیا گیا' جب تک کہ اسے کیریئر سٹاف کے سامنے پیش نہ کر دیا جائے تاکہ وہ اس کو درست طریقے سے بیان کر سکیں۔ ہم نے اپنے اس آرٹیکل میں دہشت گردی سے متعلق ڈیٹا کو بہتر بنانے کے لیے سفارشات بھی دیں۔ مثال کے طور پر، دہشت گردی کی جامع تعریف کیا ہونی چاہیے اور اس کے علاوہ ڈیٹا کی تصدیق ہو سکے اور اس پر کام کرنے والے اعداد و شمار کے علم سے واقف ہوں۔

رپورٹ کے چمک دار گراف یہ دیکھا رہے ہیں کہ دہشت گردی کا بہت نیچے آ جانا تصدیق شدہ نہیں۔ ہم نے بعد میں یہ دریافت کیا تھا کہ ایسا اس وجہ سے ہوا تھا کہ کولمبیا میں تیل کی پائپ لائنوں پر غالباً اس کمپنی نے حملے کیے تھے جو اپنے لیے کاروبار حاصل کرنا چاہتی تھی لہٰذا یہ دہشت گردی نہیں تھی اس وجہ سے یہ حملے رپورٹ سے نکال دیے گئے، اور اسے دہشت گردی کے واقعات میں کمی سے تعبیر کیا گیا تاہم اس کے لیے کوئی وضاحت نہیں دی گئی تھی۔ اس پس منظر میں دیکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ چارٹس یا گراف زیادہ معلومات افزا نہیں۔

''میٹ دی پریس'' پروگرام کے بعد میرے ساتھی پال کرگمین نے ''نیو یارک ٹائمز'' میں اس واقعے کے بارے میں ایک آرٹیکل تحریر کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ اسے شک ہے کہ رپورٹ کو جان بوجھ کر غلط بنایا گیا اور اس کے پیچھے کوئی مذموم مقصد ضرور ہوگا۔ میں نے اس کے جواب میں کہا تھا کہ یہ محض

ایک غلطی کی بنا پر ہوا تھا۔ اگر 11 نومبر کے بعد کے واقعات اس میں نہیں تو ایسا اس وجہ سے ہے کہ اس تاریخ کے بعد رپورٹ پریس میں تھی۔ رہ گئی بات 50 فیصد کم نقصانات کی تو اس کے بارے میں میرا یہ خیال تھا کہ ایسا بھی ناتجربہ کاری کے باعث ہوا تھا۔ یہاں پر ٹیکنیکل غلطی کی گئی تھی۔ پال کرگمین نے مجھے بڑا سادہ لوح قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ اگر ایسی غلطیاں کسی اور رخ پر کی جاتیں تو انہیں پکڑ لیا جانا (فوراً) ممکن تھا۔ اگر غلطی سے ایسا لکھا جاتا کہ 2003ء میں دہشت گردی کے واقعات بہت زیادہ ہوئے تھے (ایسا حقیقت میں ہوا تھا)، تو ذمہ دار ایجنسیاں اس کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کا بار بار جائزہ لیتیں۔

ہم پر اس بات کا بھی انکشاف ہوا تھا کہ امریکا کا سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کابینہ کی سطح کا وہ واحد ادارہ ہے جس کے پاس اعداد و شمار رکھنے والی ایجنسی نہیں۔ محکمہ تعلیم کے پاس ایسی بہترین ایجنسی ہے لیبر ڈیپارٹمنٹ کے پاس بھی اپنی ایک ایجنسی ہے، محکمہ تجارت کے پاس ایسی دو ایجنسیاں کام کر رہی ہیں وغیرہ۔ جب اس ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے تعداد وغیرہ کی بات کی جاتی ہے تو اسے ڈبل چیک کرنے والا کوئی موجود نہیں ہوتا لہٰذا اگر غلطی رہ جائے تو اس کے بارے میں پتہ نہیں چلایا جا سکتا۔ ستم ظریفی دیکھیں کہ اس امریکا کا پہلا وزیر تھامس جیفرسن شماریات یا اعداد و شمار سے بہت شغف رکھتا تھا۔ ہم نے اس آرٹیکل میں تجویز پیش کی ہے کہ اس ڈیپارٹمنٹ کے پاس اعداد و شمار والی ایجنسی ہونا چاہیے۔

سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے اس رپورٹ میں مخفی فیصلے بھی غیر متوازن دکھائی دیتے ہیں مثلاً چیچنیا کے واقعات کو کبھی بین الاقوامی دہشت گردی سے تعبیر کیا گیا ہے تو کبھی انہیں ملکی یا مقامی بتایا گیا ہے اور وجوہات بھی بیان نہیں کی گئیں۔

جب ہم دونوں نے اپنی سفارشات مرتب کر لیں، تو میں نے اس کی ایک کاپی کولن پاول کو بھجوائی۔ لیکن مجھے اس کے موصول کیے جانے کی رسید نہیں ملی۔ تاہم سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے انسپکٹر جنرل نے اس واقعے پر ایک رپورٹ جاری کی جس میں اس نے بھی کافی سفارشات پیش کیں جن میں ہماری باتوں یا تجاویز کا عکس نمایاں تھا۔ اس نے اعداد و شمار رکھنے والی ایجنسی کے قیام کی تجویز پیش نہیں کی لیکن یہ ضرور کہا کہ ڈیپارٹمنٹ ایسے شخص کی خدمات حاصل کرے جو رپورٹ کے اعداد و شمار پر کام ماہرانہ اور پیشہ ورانہ انداز میں کر سکے۔ اس نے یہ بھی تجویز دی کہ رپورٹ کی تیاری کے دوران تمام میٹنگز وغیرہ کا مکمل ریکارڈ رکھا جائے تا کہ معلوم ہو سکے کہ فیصلے (رپورٹ کے بارے میں) کیسے کیے گئے تھے۔

کولن پاول بش کے دوسرے دور میں وزیر خارجہ نہ بن سکے تھے۔ اب وزیر خارجہ کونڈ ولیزا رائس تھیں۔ رائس نے پیٹرن رپورٹ سے اعداد وشمار کوختم کر دیا اور اس کو دوسرا نام دیا۔ 2004ء اور 2005 کے درمیان دہشت گردی کے واقعات بہت زیادہ ہوئے تھے، اور سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے فیصلہ کیا تھا وہ تعداد کو ظاہر کرنے کی ذمہ داری نہ لے۔ اب ایسا ڈیٹا NCTC یعنی National Counter Terrorism Center اکٹھا کر کے اسے شائع کرتا ہے TTIC NCTC کی جگہ قائم کیا گیا ہے، اسے بعد میں ختم کر دیا گیا تھا۔

اب تک NCTC ایسا ڈیٹا شائع کرنے میں خاصا فعال اور بہتر رہا ہے۔ میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ ہمیں اس بارے میں زیادہ موثر اور جامع معاشی اعداد وشمار کی ضرورت ہے۔

ڈیٹا کی درستگی یا صحت

سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے جب درست اعداد وشمار جاری کیے تو میں نے اس نئی واقع نگاری کو استعمال کرتے ہوئے 1997 سے 2003ء تک کے ڈیٹا پر اپنے کام کو بڑھایا۔ جلد ہی مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ اب بھی اس ڈیٹا میں خاصے مسائل موجود ہیں میں نے صرف ان کو ہی تفصیلاً بیان کیا ہے جو میرے نزدیک درست کہے جاسکتے ہیں۔ تاہم میں نے ہر دہشت گردی کے واقع کے لیے ٹارگٹ اور حملہ آور ملک کی پہچان کی ہے، اس کو میں نے دونوں ممالک کے جی ڈی پی، سیاسی حقوق، شہری حقوق اور مذہبی آزادی جیسے عوامل کے ساتھ منسلک کیا ہے۔ میں نے ملک A کے لوگوں کو ملک B کے لیے دہشت گردی کے حملوں کا شماریاتی چارٹوں کی مدد سے بغور جائزہ لیا ہے۔ یہ ڈیٹا 1997 سے 2003ء کے درمیان ہونے والے 956 دہشت گردی کے واقعات کا احاطہ کرتا ہے۔

یہاں پر میں نے اس ڈیٹا کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے اور چند اہم ترین باتوں کا ذکر کیا ہے۔ میں نے خودکش حملوں کے بارے میں یہاں اضافی شواہد کا ذکر کیا ہے جس میں بین الاقوامی اور ملکی دونوں واقعات کا حوالہ ہے، جو میں نے پیپ (Pape) اور انٹرنیشنل پالیسی انسٹیوٹ فار کاونٹر ٹیرازم سے حاصل کیے ہیں۔

ڈیٹا میں ہم نے کوڈ ورڈز سے بھی کام لیا ہے، مثلاً سفارت خانوں پر اکثر دہشت گرد حملے کرتے ہیں۔ ہم نے اس ملک جس میں متعلقہ سفارت خانہ واقع تھا کے علاوہ جس ملک کا وہ سفارت خانہ تھا، دونوں کے لیے کوڈ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یہاں پر ایک اور غیر معمولی صورتحال بھی دیکھنے کو ملتی ہے یہ

ان 280 دہشت گردی کے حملوں کے نتیجہ میں سامنے آتی ہے جو اس دوران بھارت میں ہوئے تھے۔ ان میں سے زیادہ حملے ریاست کشمیر میں کیے گئے تھے۔ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ ان حملوں کے بارے میں ایک غیر معمولی رائے رکھتا ہے، یہی سمجھا جاتا ہے کہ ان حملوں کے ذمہ دار پاکستانی یا دوسرے بیرونی حملہ آور تھے، حالانکہ مذکور رپورٹ میں اس بات کا واضح ذکر ہے کہ ان حملوں کا تعلق اندرون ملک مسائل سے تھا۔ دوسرے نمبر پر ایسے حملے کولمبیا میں ہوئے تھے۔ ان حملوں کے بارے میں تضاد ہے آیا وہ دہشت گردی کے تھے یا ان کی نوعیت کچھ اور تھی۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے ایسے زیادہ تر حملے پائپ لائنوں پر کیے گئے تھے اور شاید اس میں وہ کمپنی ملوث تھی جو ان کی مرمت کا ٹھیکا لینا چاہتی تھی۔ اس کے علاوہ کولمبیا میں اغوا برائے تاوان کے واقعات کو بھی میں دہشت گردی سے تعبیر نہیں کرتا انہیں جرائم کہنا زیادہ بہتر ہوگا، اس بنا پر ہم نے کولمبیا کو اپنے تجزیے سے خارج کر دیا۔ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے لیے اسرائیل کا معاملہ بھی ٹیڑھا ہے چونکہ مغربی کنارہ اور غزہ پٹی کے علاقے اسرائیل کا حصہ ہیں، لہٰذا ان میں کیے گئے حملوں کو سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ والے اندرون ملک دہشت گردی گردانتے ہیں۔ ڈیٹا میں اسرائیل کے خلاف کافی حملوں کا ذکر ہے، لیکن ایسے واقعات بھی ہیں جن میں کوئی امریکی شہری یا کوئی دوسرا غیر ملکی زخمی یا ہلاک ہوا تھا۔ ایسے واقعات کچھ مسائل کا نتیجہ قرار دیے جا سکتے ہیں، ہم نے انہیں بھی فی الحال اپنے تجزیے سے خارج کر دیا ہے۔

اس ڈیٹا سیٹ کے علاوہ دیگر ایسے اعداد و شمار موجود ہیں اور ہر ایک میں کچھ نہ کچھ خامی ہے۔ ایسا ہی ایک ڈیٹا ITERATE نامی ہے۔ اسے جنوبی کیلی فورینا کے نوڈ سینڈلر نے اپنے ساتھی مکلس کے ساتھ مل کر 2006ء میں تیار کیا تھا۔ جب ہم نے اپنے ڈیٹا کا ITERATE سے موازنہ کیا اور ہم نے دیکھا کہ اس میں ہمارے ڈیٹا سے 18 فیصد زیادہ دہشت گردی کے واقعات درج ہیں، اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ڈیٹا میں چند ملکی واقعات کو جگہ دی گئی ہے۔ ممالک کی سطح پر ہمارا ڈیٹا اس کے قریب ترین ہے۔، یہ تعلق 57. یا 52. تک نوٹ کیا گیا، ڈیٹا میں ملک جس میں ایسا واقعہ ہوا اور جس ملک سے اس کا تعلق تھا کو ٹیبل میں ظاہر کیا گیا ہے۔ (ٹیبل 2.1)

ہم نے اپنے ڈیٹا میں اس ٹارگٹ کی تعریف کی ہے کہ وہ لوگ جو اس حملے سے متاثر ہوئے ہیں ان کی قومیت یا وہ لوگ جن کی بہت زیادہ تعداد زخمی ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی کیفے کو دہشت گرد تباہ کر دیں سات اسرائیلی اور دو امریکی شہری ہلاک ہو جائیں تو ہم اسرائیلیوں کو ٹارگٹ کہیں گے۔ اگر

ٹارگٹ امریکی کالونی ہوٹل ہو اور تمام ہلاک شدگان کا تعلق امریکا سے ہو تو ہم امریکیوں کو ٹارگٹ ظاہر کریں گے۔ یہاں پر چند خاص حملوں کے بارے میں کہ ان میں ٹارگٹ کون تھا، بتانے میں کچھ ابہام پیدا ہو سکتے ہیں اور ITERATE کے ساتھ باہمی تعلق اس سطح پر کافی کم نظر آتا ہے صرف 23. اگر ہم بھارت کو شامل نہ کریں جسے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ والے ڈیٹا میں پہلے ہی آؤٹ لائن کیا گیا ہے تو ان دونوں ڈیٹا کا باہمی تعلق بہت بڑھ جاتا ہے (90. تک) جب ہم اس ملک کی بات کریں جہاں یہ حملہ ہوا تھا اور (41. تک) جب ٹارگٹ کی سطح پر جائزہ لیا جائے اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ اس باہمی تعلق سے (اگر بھارت کو الگ رکھا جائے) دونوں ڈیٹا ایک ہی رخ میں ہیں۔

ٹیبل 2.2 میں ملک ملک کے حساب سے اس ڈیٹا کو دکھایا گیا ہے جس سے ملک میں دہشت گردی کے حملوں کی اس تعداد کا پتہ چلتا ہے جو اس ملک کے فی 10 لاکھ افراد پر کیے گئے تھے، اس کی بنیاد ہماری اس کوڈنگ سے ہے جو ہم سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ڈیٹا کی رکھی ہے۔ بھارت یہاں بھی حملوں کی تعداد کے اعتبار سے باہر ہے لیکن فی کس بنیاد پر اس میں شامل ہے اور اس کا نمبر یہ دنیا بھر کی عام فگر جو کہ 0.16 واقعات فی 10 لاکھ نفوس سے کچھ اوپر ہے۔ مغربی کنارا اور غزہ پٹی بھی باہر ہیں۔ اس طرح سے سیرالیون، انگولا، بحرین، یمن اور کولمبیا بھی باہر ہیں لیکن اگر فی کس کے حساب سے دیکھا جائے تو یہ اس فہرست کے نمایاں ممالک میں سے ہیں۔

Table 2.1 Correlations between Place-Based ITERATE Data and Data Derived from U.S. State Department Reports.

	Origin	Place	Primary target
All countries	.57	.52	.23
Excluding India	.89	.90	.41
Number of countries	138	139	136

Notes: In all cases, the ITERATE data are measured at the level of the country where the event occurred. The State Department data were measured at the level of the country of origin of the perpetrators, the country where the event occurred (place), or the country that was the target of the attack.

Table 2.2 Number and Frequency of Significant International Terrorist Attacks based on U.S. State Department Chronologies, 1997-2003

Country	Number of events	Events per million population
Azerbaijan	1	0.13
Belgium	1	0.40
Eritrea	1	0.26
Germany	1	0.01
Guinea	1	0.14
Kenya	1	0.03
Nicaragua	1	0.21
Senegal	1	0.11
Thailand	1	0.02
Tunisia	1	0.11
United Arab Emirates	1	0.37
Zambia	2	0.10
Bahrain	2	3.11
Bangladesh	2	0.02
Chad	2	0.27
Cuba	2	0.18
Eb Salvador	2	0.33
Liberia	2	0.68
Macedonia	2	0.99
Morocco	2	0.07
Myanmar	2	0.04
Tanzania	2	0.06
Uzbekistan	2	0.08
Chile	3	0.20
Democratic Republic Of Congo	3	0.06
Egypt	3	0.05
France	3	0.05
Kuwait	3	1.61
Peru	3	0.12
Venezuela	3	0.13
Bosnia	4	1.06
Cambodia	4	0.35

Table

Israel	4	0.67
South Africa	4	0.10
Sudan	4	0.13
United Kingdom	4	0.07
Ecuador	5	0.41
Iran	5	0.08
Jordan	6	1.31
Lebanon	6	1.43
Ethiopia	7	0.11
Italy	7	0.12
Rwanda	7	0.86
Spain	7	0.18
Sri Lanka	7	0.37
Somalia	8	0.98
Yugoslavia	8	0.75
Georgia	9	1.65
Burundi	10	1.53
Uganda	10	0.48
Tajikistan	11	1.80
Indonesia	13	0.06
Algeria	14	0.47
Russia	15	0.10
Greece	16	1.52
Saudi Arabia	17	0.88
Afghanistan	18	0.72
Philippines	20	0.27
Sierra Leone	21	4.35
Iraq	26	1.17
Nigeria	26	0.21
Pakistan	26	0.20
Turkey	32	0.50
Angola	41	3.31
West Bank and Gaza Strip	46	16.84
Yemen	49	2.95
Colombia	104	2.55
India	280	0.29

نشانہ بننے والوں اور حملہ آوروں کی خصوصیات

دلچسپ بات یہ سامنے آتی ہے کہ ان میں سے 88 فیصد حملے ان لوگوں نے کیے جن کا تعلق ٹارگٹ ملک سے ہی تھا یعنی دہشت گردوں نے اپنے ملک کو نشانہ بنایا تھا۔ تاہم یہ زیادہ تر مخالف ملک کے باشندوں یا پراپرٹی پر کیے گئے مثلاً میک ڈانلڈ ریسٹورینٹ کو اُڑا دینا یا اسی ملک کے باشندے کو اغوا کر لینا وغیرہ ان میں بعض مرتبہ صرف غیر ملکیوں کو نشانہ بنایا گیا جبکہ بعض اوقات ان کے نتیجے میں بہت نقصان ہوا۔ قریباً 90 فیصد ایسے کیس جن کو ہم نے کوڈ کیا تھا ایسے تھے جن میں حملہ آور ٹارگٹ ملک کے باشندے تھے۔ ایک مثالی بین الاقوامی دہشت گردی کا حملہ ایسا نہیں ہو سکتا جیسا کہ نائن الیون کا تھا، جس میں بیرونی حملہ آوروں نے امریکا آ کر ایسے حملہ کیا۔ ایسے کیس بہت کم ہیں۔ ایک مثالی حملہ پاکستانی میں ''وال سٹریٹ جرنل'' کے صحافی ڈینیل پرل کے اغوا اور قتل کا کہا جا سکتا ہے۔ یہ حملہ ان لوگوں نے کیا تھا جو پاکستانی تھے اور ان کا القاعدہ سے تعلق تھا۔

دو تہائی کیس ایسے تھے جن میں کسی خاص دہشت گرد تنظیم کے ملوث ہونے کا شبہ پایا گیا تھا۔ جبکہ باقی تین تہائی واقعات میں یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ کسی دہشت گرد تنظیم کا نام ہے مگر کس تنظیم کا یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ 91 فیصد حملے بہت سے لوگوں نے مل کر کیے تھے۔ میرے ساتھی مصنف ڈیوڈ لیٹن جو تصادمی امور کے ماہر ہیں نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ آیا حملہ آور اور ان کے اہداف کا تعلق ایک مذہب سے تھا۔ ان کے مطابق 61 فیصد کیس ایسے ہیں جن میں دونوں کے مذاہب مختلف تھے۔ یہاں پر 77 فیصد امکانات اس بات کے ہیں کہ اگر دنیا میں ایک بے قاعدہ طریقے سے دو افراد کو چنا جائے تو ان کے مذاہب مختلف ہوں گے اس اعتبار سے یہ کہنا درست ہو گا کہ 62 فیصد والی بات درست ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں، زیادہ تر دہشت گردی مقامی ہوتی ہے اور دہشت گرد اور ان کا نشانہ بننے والے افراد کا تعلق ایک ہی ملک سے ہوتا ہے شاید ان میں چند بدقسمت غیر ملکی بھی آ جاتے ہیں۔ اگر کسی ملک میں دو افراد کو کسی قاعدے کلیے کے بغیر ہم چن لیں تو ان کے مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے کے امکانات 27 فیصد تک ہوں گے۔ حملہ آوروں اور ان کے ٹارگٹ کے درمیان فرق معلوم کرنے کے لیے مواقع زیادہ ہیں۔

90 فیصد خودکش حملے ایسے ہوتے ہیں جن میں مذہب کا فرق ان کا باعث ہوتا ہے۔ ان کا مذہب کے ساتھ زیادہ تعلق ہے۔

سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ڈیٹا کے مطابق 4 فیصد حملے سفارت خانوں پر ہوئے ہیں۔ 12 فیصد کا ہدف امریکا تھا۔ 7 فیصد حملے بین الاقوامی اداروں مثلاً اقوام متحدہ، ریڈ کراس وغیرہ پر کیے گئے تھے۔ صرف 5 فیصد حملے خودکش تھے۔

دہشت گردوں کے ممالک اور ان کے شکاروں کی خصوصیات

ٹیبل 2.3 میں دہشت گردوں کے حملوں کا فی 10 لاکھ کی آبادی کے جائزہ لیا گیا ہے۔اس میں ٹارگٹ ملک اور بنیادی ملک (جس سے دہشت گردوں کا تعلق ہو) کا بھی ذکر ہے۔ان قطاروں کے پہلے سیٹ میں ان نتائج کو دکھایا گیا ہے جو جی ڈی پی کے مختلف درجوں سے سامنے آتے ہیں۔خودکش حملوں کے لیے الگ اعداد و شمار دیے گئے ہیں۔ بریکٹوں میں ہر گروپ کے لیے ایک فگر P ویلیو (P-value) ہے جو کہ یہ بتائی ہے کہ آیا ڈیٹا میں ایک باقاعدہ پیٹرن موجود ہے۔اگر یہ P ویلیو کم ہو تو ممالک کے گروپ کے لیے پیٹرن غالباً کسی چانس کی وجہ سے نہیں بنتا۔اگر P ویلیو زیادہ ہو تو ڈیٹا میں مشاہداتی فرق جاننے کا موقع بھی زیادہ ہوگا۔مثال کے طور پر اس ملک کا جی ڈی پی پیٹرن، جس سے دہشت گردوں کا تعلق ہوتا ہے ہر واقعہ کے لیے یکساں دکھائی دیتا ہے: ہم اس چانس کو رد نہیں کر سکتے بطور ایک منبع کے، جس سے جی ڈی پی کے 4 درجات میں ممالک کے لیے دہشت گردی کی شرح یا ریٹ میں فرق معلوم کر سکتے ہیں۔

Table 2.3 Terrorist Attacks per Million Population (of Origin or Target Country) by Country Characteristics.

Country characteristic	*Origin*	*Target*	*Origin*	*Target*
GD per capita				
Quartile 1 (poorest)	0.37	0.11	0.00	0.00
Quartile 2	0.18	0.07	0.10	0.10
Quartile 3	0.17	0.30	0.19	0.11
Quartile 4 (richest)	0.34	0.47	0.35	0.38
	(p=0.45)	(p=0.00)	(p=0.01)	(p=0.00)
GDP growth				
Under medain	0.31	0.12	0.01	0.00
Above medain	0.23	0.30	0.27	0.24
	(p=0.44)	(p=0.01)	(p=0.01)	(p=0.00)
Illiteracy rate				
Under medain	0.27	0.26	0.22	0.23
Above medain	0.18	0.19	0.11	0.07
	(p=0.40)	(p=0.01)	(p=0.61)	(p=0.26)

Civil liberites				
Low	0.42	0.19	0.12	0.07
Medium	0.27	0.38	0.31	0.33
High	0.02	0.12	0.00	0.00
	(p=0.00)	(p=0.00)	(p=0.77)	(p=0.00)
Political rights				
Low	0.39	0.11	0.11	0.07
Medium	0.21	0.14	0.14	0.14
High	0.13	0.38	0.19	0.20
	(p=0.04)	(p=0.00)	(p=0.95)	(p=0.65)
Predominant religion				
Muslim	0.44	0.14	0.18	0.11
Christian	0.21	0.28	0.00	0.00
Buddhist	0.09	0.05	0.44	0.44
Hindu	0.06	0.06	0.00	0.00
Mixed/other	0.31	0.32	0.61	0.65
	(p=0.26)	(p=0.01)	(p=0.01)	(p=0.00)
Country characteritic				
Under median	0.27	0.19	0.23	0.25
Above median	0.35	0.29	0.12	0.06
	(p=0.41)	(p=0.60)	(p=0.61)	(p=0.18)
Ethnolinguistic fractionalization				
Under median	0.22	0.21	0.30	0.26
Above median	0.31	0.23	0.00	0.01
	(p=0.47)	(p=0.52)	(p=0.00)	(p=0.00)
Religious fractionalization				
Under median	0.23	0.23	0.17	0.17
Above median	0.31	0.23	0.00	0.12
	(p=0.52)	(p=0.84)	(p=0.96)	(p=0.72)

Source: Krueger and Laitin (2007).
Notes: Sample sizes range from 135 to 159 depending on characteristic. The numbers in parentheses are the p-values for a x^2 test of the hypothesis that the group have equal effects from a negative binomial regression of the number of events on indicators for the specified groups and log population, constraining the coefficient on population to equal 1.

دہشت گردی کے حملوں میں نشانہ بننے والے لوگ زیادہ تر غریب ملکوں کی بجائے امیر ممالک سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی صورتحال ہمیں خودکش حملوں کے معاملے میں بھی نظر آتی ہے، اگرچہ یہاں پر ان حملوں میں ملوث افراد کا تعلق امیر ملک سے بھی دیکھا گیا ہے۔

ٹیبل 2.3 میں اگلی قطاروں کا سیٹ یہ دکھا رہا ہے کہ دہشت گردوں کے اصل ملک کی جی ڈی پی دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں رکھتی لیکن ہدف ملک میں اس کا تعلق واضح طور پر اس سے ہے۔ اسی طرح سے شرح خواندگی منبع ملک کے لیے زیادہ اہم نہیں جبکہ اس کا ہدف ملک سے تعلق ضرور ہے۔

ہم نے ممالک کی شہری اور سیاسی لحاظ سے درجہ بندی کرنے کے لیے ''فریڈم ہاؤس'' نامی ادارے کے اعداد وشمار لے کر کی ہے۔ ان کے بارے میں بعد میں بات کی جائے گی، مگر اب تک یہ بات صاف ہے کہ دہشت گرد زیادہ تر ان ممالک سے تعلق رکھتے ہیں جہاں شہری وسیاسی حقوق کو دبا کر رکھا جاتا ہے۔

ہم نے مذہب کے عنصر کو بھی اس تعلق میں شامل کیا ہے، اس کے بارے میں بعد میں ذکر ہوگا۔

اس طرح سے پہاڑی اور دشوار گزار علاقہ رکھنے والے ممالک میں خانہ جنگی یا بغاوت کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں اور باغیوں کو ایسے علاقوں سے بھرپور مدد ملتی ہے۔ لیکن دہشت گردی کے معاملے میں ایسا تعلق ہمیں اس سلسلے میں نظر نہیں آتا۔

علم اعداد وشمار کی روشنی میں ہم اب ایک مساوات لکھتے ہیں۔

$$E(Yij\ 1\ x) = exp\ (x^{1}ij P_{1} + x^{1}i P_{2} + x^{1}i P_{3}),$$

اب یہاں پر Yij سے مراد دہشت گردی کے وہ واقعات ہیں جو i ملک کے لوگ j ملک کے افراد یا لوگوں پر کرتے ہیں۔ یہاں پر x سے مراد تغیرات لیے گئے ہیں مثلاً جی ڈی پی، مذہب، شرح خواندگی وغیرہ i سے مراد وہ ملک ہے جس سے دہشت گرد تعلق رکھتے ہیں اور j ٹارگٹ ملک ہے P_3 سے مراد وہ حدود اور صورتیں ہیں جن کا ہم اندازہ لگانا چاہتے ہیں۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ ہم یہ اندازہ لگانا چاہتے ہیں کہ ملکوں کی کونسی خصوصیات ان واقعات سے تعلق رکھتی ہیں۔

وہ قارئین جن کو معاشی حساب سے دلچسپی ہے، ہم نے منفی دوعددی والے ماڈلز کا اندازہ لگایا ہے، اس کے لیے ہم نے ملکوں کے جوڑوں (Pairs) کے لیے ڈیٹا کو استعمال کیا ہے۔ (11000 سے زائد)۔ ان میں بہت سے جوڑے ایسے تھے جہاں ایسے واقعات بالکل صفر تھے مثلاً (امریکا اور

کینیڈا کے پیپر میں) مگر یہاں پر ان کیسوں کے بارے میں بھی معلومات ہیں (یعنی کسی نہ کسی لحاظ سے دہشت گردی کا پہلو نکلتا ہے)

ہم نے اپنے اس نمونے سے غزہ پٹی اور مغربی کنارے کو نکال دیا ہے وجہ غیر یکسانیت میں اس کے بارے میں ڈیٹا کا اکٹھا ہونا ہے۔ کشمیر میں حملوں کے لیے ہم نے پاکستان کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا (بہت سے واقعات میں)۔ ہم نے ان واقعات کو بھی اپنی رپورٹ اور تجربے سے حذف کر دیا جن کا تعلق مقامی سیاست سے تھا (یعنی ایسے واقعات جن میں حصہ لینے والے اپنے ہی ملک کو نشانہ بنا رہے تھے)، لیکن ہمارے نتائج ایک جیسے ہی رہتے اگر ہم ان کو شامل کر لیتے۔ ہم نے اپنی تحقیق کو ان ممالک تک ہی رکھا ہے جہاں کم از کم دس لاکھ کی آبادی ہے، اب ہمارے پاس 149 ممالک رہ گئے یا 11,026 جوڑے جن کے لیے تحقیق کرنا تھی۔

ہم نے اپنے عددی اندازوں کو ٹیبل 2.4 میں مختصراً دیا ہے۔ اپنڈکس 2.1 میں ان اندازوں کو ذرا کھل کر بیان کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے ہم نے یہ معلوم کیا کہ جس ملک کو نشانہ بنایا جاتا ہے اس کی آمدنی کا اس میں کتنا عمل دخل ہوتا ہے۔ ٹیبل میں دو دفعہ + کا نشان ظاہر کر رہا ہے کہ امیر ممالک دہشت گردی کا زیادہ نشانہ بن سکتے ہیں۔ اگر ہم اس میں سے امریکا کو نکال بھی دیں تو بات وہی رہے گی۔ جبکہ اس کے برعکس اس ملک کی آمدنی کا جس سے دہشت گرد تعلق رکھتے ہیں، اس سے کوئی تعلق ہم تلاش نہیں کر سکے۔

فگر 2.2 میں آمدنی کے لحاظ سے ایک تفصیلی ڈیٹا دیا گیا ہے۔ ہم نے ممالک کو آمدنی کے درجات سے ان کے جی ڈی پی کے مطابق تقسیم کیا۔ سب سے پہلے ہم نے یہ دیکھا حملے امیر ممالک پر کیے جاتے ہیں، دوسرا یہ کہ کم آمدنی والے ممالک کم ہی دہشت گردی کے واقعات میں ملوث ہو سکتے ہیں۔ یہ باتیں میرے پہلے لیکچر کے مطابق ہیں جس میں میں نے ان افراد کی خصوصیات کا تذکرہ کیا تھا جو دہشت گردی میں حصہ لیتے ہیں۔ یہ لوگ مڈل کلاس یا امیر طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور اب ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ان کا تعلق غریب ملکوں سے نہیں ہوتا۔ ان دہشت گردوں کے ملکوں کے جی ڈی پی کا ان واقعات سے تعلق نظر نہیں آتا، لیکن دہشت گرد زیادہ تر امیر ملکوں کو نشانہ بناتے ہیں۔

ٹیبل 2.4۔ دہشت گردی کے فیصلہ کن عوامل کی سمری جسے 11026 ممالک کے جوڑے سے حاصل کیا گیا۔

Table 2.2 Number and Frequency

	origin country variables	*Target country variables*
1. GDP per capita	0	++
2. Great civil civil liberties	--	++
3. Lagged GDP growth (1990-96)	0	NA
4.Population	++	++
5.Volume of trade between countries.	--	
6.Geographic distance between countries.	--	--
7.Literacy rate	0	NA
8.Religion of origin country	0	++
9.Occupier	NA	++
10.Occupied	+	NA

یہاں پر ++ سے مراد ہے زیادہ مثبت تعلق، --زیادہ منفی تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔صفر (0) کا مطلب ہے کوئی تعلق نہیں۔ نارمل مثبت کے لیے سنگل + جبکہ عام منفی تعلق کے لیے سنگل – دیا گیا ہے۔تجارت کے حجم اور دو ممالک کے درمیان فاصلے بھی ان تغیرات میں شامل ہیں۔

ہم نے ممالک میں موجود شہری آزادیوں کا ایک دوسرے سے موازنہ بھی کیا۔ بہت سے لٹریچر ایسے ہیں جن میں شخصی و شہری آزادیوں پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ حقیقت میں ان کا سیاسی آزادی سے گہرا تعلق بھی ہے۔ سیاسی حقوق یا آزادی سے مراد ہے، جمہوری اداروں کا ہونا، آزاد انتخابات، پارٹی جوائن کرنے کی آزادی اور آزاد پریس۔ان دونوں میں یعنی شہری و شخصی آزادی اور سیاسی آزادی میں فرق کرنا مشکل ہے، تاہم ہمارا ڈیٹا یہ بتاتا ہے کہ یہاں پر شہری و شخصی آزادی زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ ہم نے فریڈم ہاؤس انڈیکس سے ڈیٹا حاصل کیا جو شہری و سیاسی آزادی کی بنیاد پر اکٹھا کیا گیا تھا۔شہری آزادی کو ظاہر کرنے والے اشارے آزادی رائے، جلسے جلوس نکالنے کی آزادی اور ایک آزاد عدلیہ کی موجودگی جیسے عوامل کی پیمائش کرتے ہیں۔

فگر 2.2۔ ٹارگٹ اور منبع ملک میں دہشت گردی کے حملوں کی ترتیب۔(رائٹر کے اعداد و شمار)

وہ ممالک جن سے دہشت گردوں کا تعلق ہوتا ہے زیادہ تر ایسے ہیں جہاں شہری و شخصی آزادی کم ہوتی ہے۔ فگر 2.3 میں بائیں جانب والی لائنیں دکھا رہی ہیں کہ ایسے ممالک جہاں کم شخصی آزادی ہے، جیسا کہ سعودی عرب، دہشت گردوں کی پیداوار کا باعث بن سکتے ہیں۔ وہ ممالک جہاں ایسی آزادی زیادہ ہے میں دہشت گرد کم ہی پیدا ہوتے ہیں۔ ان ممالک پر دہشت گردوں کے حملوں کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں۔ تاہم یہ زیادہ قوی نکتہ نہیں۔

یہاں یہ بھی ضروری ہے کہ جی ڈی پی گروتھ کے اثرات پر بھی تحقیق کی جائے۔ 1990 سے 1996 کے درمیانی عرصے میں دہشت گردی کے حملوں میں جن کا ہم جائزہ لے رہے ہیں سے یہ واضح ہے جی ڈی پی کا ان سے کوئی خاص تعلق نہیں۔ البتہ منبع اور ٹارگٹ ممالک کی آبادی کا اس سے خاصا مضبوط تعلق نظر آتا ہے۔ اگر بھارت کو ہم تجزیے سے نکال بھی دیں تب بھی اس تعلق کو دیکھا جا سکتا ہے۔

(فگر 2.3 شخصی و شہری آزادی کی منبع ممالک میں سطح)

اگر ہم بات کریں کسی دو مما لک کے درمیان تجارت کی تو جتنی ان میں تجارت ہوگی دہشت گردی کے امکانات کم سے کم ہونگے۔ یہاں پر درمیانی فاصلے کی بہت اہمیت ہے۔ زیادہ فاصلہ ہونے کی صورت میں باہمی تجارت اور دہشت گردی دونوں میں بہت کمی آسکتی ہے بلکہ دہشت گردی کے اثرات قریب قریب ختم ہو سکتے ہیں۔ باہمی فاصلہ کا دہشت گردی پر اثر اس بات کی جانب اشارہ کرتا ہے کہ زیادہ تر دہشت گردی مقامی ہوتی ہے۔ شاید زیادہ سفر کے اخراجات، اجنبی ثقافت وغیرہ دہشت گردوں کو کسی دوسرے ملک پر حملے روکنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

اسی طرح سے تعلیم کا بھی کسی ملک میں دہشت گرد پیدا ہو جانے سے کوئی تعلق نہیں۔ تحقیقات اور تجزیے کم تعلیم کا دہشت گردوں سے بہت کم تعلق ثابت کرتے ہیں۔

مذہب کے معاملہ کا جب ہم نے اپنے اس تحقیقی کام کے دوران جائزہ لیا تو یہ بات سامنے آئی کہ دو مما لک میں مذہب کا فرق بین الاقوامی دہشت گردی کی وجہ کم سے کم بننے کا باعث ہو سکتا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ مذہب میں اختلافات ان بہت سی رنجشوں یا شکایات کا باعث ہیں جن سے دہشت گردی کو ہوا ملتی ہے۔ اور ان شکایات کا تعلق کسی ایک مذہب سے نہیں ہوتا۔ اگر چہ آج کل دنیا بھر میں اسلامی دہشت گرد گروپوں کا تذکرہ ہو رہا ہے، مگر یہ کسی طرح بھی دہشت گردی کے واحد ذمہ دار یا جڑ قرار نہیں دیے جا سکتے۔ کوئی بھی مذہب دہشت گردی پر اجارہ داری نہیں رکھتا میں نے ان مما لک کے کیسز کا بھی جائزہ لیا ہے جو غاصب ہیں اور جنہوں نے دوسروں ملکوں پر مکمل یا ان کے علاقوں پر قبضہ کر رکھا ہے، ہمارا خیال یا مفروضہ یہ تھا کہ یہ قبضہ دہشت گردی کا باعث بن سکتا ہے۔ گو کہ اب دنیا میں ایسے قبضے بہت کم رہ گئے ہیں۔ جب میں نے کسی ملک A کا ملک B کے لیے ڈیٹا کا جائزہ لیا یہ فرض کرتے ہوئے کہ A قابض ملک ہے تو دیکھا گیا کہ قبضہ کرنے والے مما لک دہشت گردی کے حملوں کا زیادہ نشانہ بن سکتے ہیں۔ وہ ملک جن پر مکمل یا جزوی قبضہ کیا گیا ہوتا ہے وہاں دہشت گردوں کے پیدا ہونے کے امکانات زیادہ ہو سکتے ہیں مگر یہ نتیجہ کسی اتفاقی موقع سے امتیاز کرنا مشکل ہے۔

متعلقہ تحقیق

میرے علاوہ کئی اور لوگ بھی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ڈیٹا میں موجود مخفی معلومات پر کام کرتے رہے ہیں۔ مثلاً جیمز پیازہ جس کا تعلق شمال کیرولائنا کی یونیورسٹی سے ہے۔ اس نے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ غربت، بے روزگاری یا معاشی ترقی کا دہشت گردی کے واقعات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حال ہی میں البرٹو ابیٹ نے ایک پیپر شائع کیا ہے جس میں اس نے اپنے اخذ کردہ نتیجہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے "غریب ممالک میں دہشت گردی کے عناصر کے پیدا ہو جانے کے خطرات زیادہ نہیں ہیں اگر ہم سیاسی آزادی جیسے فیکٹر کو مدنظر نہ رکھیں۔"

اہم ترین نتائج جن تک میں اپنی دہشت گردی پر تحقیق کے دوران پہنچا ہوں، ان کے مطابق بغاوت اور دہشت گردی میں بہت فرق ہے۔ تحقیق سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کم آمدنی والے ممالک میں بغاوت یا سول وار کے امکانات زیادہ ہو سکتے ہیں لہٰذا یہاں پر دہشت گردی اور بغاوت کے درمیان فرق کرنا بہت ضروری ہے۔

عراق میں غیر ملکی باغی

حال ہی میں میں نے عراق میں پکڑے گئے غیر ملکیوں پر تحقیق کی ہے۔ ڈیٹا جس پر میں نے یہ کام کیا تھا مجھے میجر جنرل رک لنچ نے 2005ء میں ایک پریس بریفنگ کے دوران دیا تھا۔ جنرل نے فگر 2.4 کے ذریعے سے اس ڈیٹا کو دکھایا، اس میں اپریل 2005 سے اکتوبر 2005 تک کے درمیانی عرصے میں پکڑے گئے غیر ملکی باغیوں کی تعداد کو دیکھا جا سکتا ہے۔ گولڑ اس سال یعنی 2005ء میں کل 376 ایسے لوگ گرفتار کیے گئے تھے مگر اپریل سے اکتوبر تک پکڑے گئے باغیوں کی قومیت کا پتہ لگایا جا سکا تھا) ان میں زیادہ تعداد کا تعلق مصر سے تھا، باقیوں کا شام، سوڈان اور سعودی عرب سے تھا، ان میں سے دو باغی برطانیہ سے تعلق رکھتے تھے جبکہ ایک کا تعلق امریکا سے تھا۔

(فگر 2.4 اپریل 2005ء سے اکتوبر 2005ء تک عراق میں پکڑے گئے باغیوں کی تعداد)

ان کے بارے میں بہترین ڈیٹا دستیاب ہے۔ اس کا میرے خیال میں اصل منبع وہ انٹیلی جنس کی رپورٹیں تھیں جنہیں عراق میں ملٹی نیشنل فورس اور ملٹی نیشنل کور سے حاصل کیا گیا تھا۔ میجر جنرل نے بریفنگ کے دوران بتایا تھا کہ ان لوگوں نے سوالات کے جواب میں اپنی قومیت کے بارے میں بتایا تھا یا ان کے قبضے سے برآمد ہونے والے کاغذات سے ان کی قومیت سامنے آئی تھی۔ تاہم اس ڈیٹا کی کسی دوسرے آزاد ذریعے سے تصدیق کرنے کا کوئی راستہ نہیں۔

اس عرصے میں پکڑے جانے والے باغیوں کے ممالک کے لیے 27 ممالک کا ذکر کیا گیا ہے، جن سے ان کا تعلق ہوسکتا تھا۔ مگر ممالک کے اس سیٹ میں بھی خاصی مفید معلومات موجود ہیں جن سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی باغی پکڑا نہیں گیا تھا۔ بظاہر یہ ممالک وہ تھے جن کا تعلق دہشت گردی سے بہت کم ہے۔ میں نے عراق میں پکڑے جانے والے ان باغیوں کا مطالعہ کیا ہے جو مشرق وسطیٰ، شمالی افریقہ، یورپ اور ایشیا کے حصوں (ان میں وہ ممالک بھی شامل ہیں جن سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی گرفتار نہیں ہوا تھا) سے آئے تھے۔ اپنے اس تجزیے کے دوران میں نے اپنے اس نمونے کو ان 47 ممالک تک محدود رکھا جو عراق سے 3000 کلومیٹر تک کے فاصلے پر موجود تھے۔ میں نے اپنے نتائج کو صرف پکڑے جانے والے باغیوں تک محدود رکھا تھا۔ اگر پکڑے جانے والے یہ باغی ان ممالک کے اس سیٹ سے تعلق رکھتے ہیں جو ان ممالک کو بھی ظاہر کر رہا ہے جن سے ان تمام کا تعلق ہوسکتا تھا جو بغاوت میں شریک ہوئے، پکڑے گئے، ہلاک ہوگئے یا آزاد ہیں تو تب ہم نتائج کو تمام باغیوں پر لاگو کر سکتے ہیں۔(2)

عراق اس وقت اہم ترین تحقیقی مرکز کہا جاسکتا ہے، اس کی کئی وجوہات ہیں یہ اس وقت ان سب کے لیے ایک مقناطیس بن چکا ہے جو امریکا سے ناراض ہیں۔ اس کے علاوہ عراق پر حملے نے ایسے لوگ پیدا کر دیے ہیں جو اتحادی افواج سے بہت نالاں ہیں۔ حکومت امریکا اس ڈیٹا کو بہت اہم سمجھتی ہے کیونکہ بہت سے افسروں کا خیال یہ ہے کہ عراق میں شورش برپا کرنے والے عراقی نہیں بلکہ ان کا تعلق دوسرے ممالک سے ہے۔ اگرچہ یہاں میرا خیال ہے کہ ہر ملک اپنی فوجی مہم جوئی کے حق میں ایسا کہتا ہے، نمونے میں ایک سیدھی سادھی کم غیر ملکیوں کی تعداد یہ دکھا رہی ہے کہ عراق میں شورش کرنے والے 90 فیصد عراقی ہیں، (3) لیکن حکومتی اور فوجی اعلیٰ افسر یہ کہہ رہے ہیں کہ خطرناک ترین دہشت گردی کے حملے کرنے والے غیر ملکی ہیں۔ جنرل لنچ نے بھی کہا تھا ''ہم یقین رکھتے ہیں کہ ان کی بہت بڑی

تعداد عددی لحاظ سے نہیں مگر اپنے حملوں کے اعتبار سے غیر ملکی جنگجوؤں پر مشتمل ہے۔ ان کی اکثریت شام سے دریا فرات کی وادی سے عراق میں داخل ہو رہی ہے۔ اس سال اپریل سے ہم نے ایسے 311 کو پکڑا ہے۔''

میں نے اسی قسم کے شماریاتی تجزیے کو ان ملکوں کی خصوصیات جاننے کے لیے اپلائی کیا جن سے پکڑے جانے والے جنگجوؤں یا باغیوں کا تعلق تھا۔ اپنڈکس 2.2 میں اس ریسرچ کو تفصیل سے دکھایا گیا ہے۔ وہ پیٹرن جو ٹیبل 2.5 میں مختصراً دیا گیا ہے وہ بین الاقوامی دہشت گردی کے واقعات کے بہت قریب ہے۔ میں نے معلوم کیا کہ بڑے ممالک کے دہشت گردوں کے منبع بن جانے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ بغداد سے فاصلہ اس ماڈل میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ وہ ملک جو عراق کے بہت نزدیک ہیں ان سے ان پکڑے جانے والے جنگجوؤں کا زیادہ تعلق تھا یہاں پر جی ڈی پی کا بھی ایک مثبت اثر نظر آتا ہے جو اس بات کی جانب اشارہ کر رہا ہے کہ امیر ممالک کے ان بیرونی حملہ آوروں کا منبع بننے کے زیادہ امکانات ہیں۔ یہ نتائج اس خیال کی نفی کر رہے ہیں کہ وہ لوگ جو شورش میں شامل ہوتے ہیں غریب ملکوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

ٹیبل 2.5 (عراق میں شورش برپا کرنے والے غیر ملکیوں کے اصل ملک کے قطعی یا فیصلہ کن عوامل کا خلاصہ)

Table 2.2 Summary of the Analysis of Determinants of Country of Origin for Foreign Insurgents in Iraq

1. Population	++
2. Distance to Baghdad	−−
3. GDP per capita	0/+
4. Literacy	0
5. Gini coefficient	0
6. Infant mortality	−−
7. Greater civil liberties	−−
8. Political rights	−−
9. Coalition member	0
10. Percentage Muslim in country of orgin	++
11. Economic Freedms	0/+

نوٹ: یہاں پر + + کا مطلب ہے مضبوط اور مثبت تعلق - - سے مراد مضبوط منفی تعلق ہے۔ جبکہ محض + اور - کے نشان دیگر تغیرات کو ظاہر کرتے ہیں۔ 0 کے معنی ہیں کہ بالکل تعلق

نہیں۔ شرح خواندگی کا بھی ان ممالک پر کوئی اثر نہیں دیکھا جاسکتا جہاں کے یہ دہشت گرد اصل باشندے تھے۔ اور نہ ہی جینی کوافیشنٹ کا اس سے تعلق دیکھا جاسکتا ہے؟ اس سے مراد ایک ملک میں آمدنی میں عدم توازن کا درجہ ہے ۔ وہ ممالک جہاں آمدن زیادہ ہے ان دہشت گردوں کا منبع تھے۔ ضروری نہیں کہ یہ وہ ممالک ہوں جو امیر تو ہوں مگر ان میں اندرون خانہ آمدنی میں عدم مساوات ہو۔

وہ ممالک جہاں شیر خوار بچوں کی شرح اموات زیادہ ہے سے بھی ان دہشت گردوں کا بہت کم تعلق نظر آیا ہے، یہ شرح اموات کا فیکٹر جی ڈی پی کے مخالف اثر سے مطابقت رکھتا ہے، یہ دونوں مقداریں یا تغیرات آپس میں گہرا تعلق رکھتی ہیں، اور اس جوڑے میں شرح اموات ایک مضبوط Predictor یا پیش بین فیکٹر کہا جاسکتا ہے۔

شہری آزادیوں کے بارے میں نتائج بالکل وہی ہیں جو بین الاقوامی دہشت گردی کے مطالعہ کے دوران حاصل کیے گئے ہیں یعنی جن ملکوں میں یہ آزادیاں کم تھیں وہاں سے عراق میں زیادہ لوگ شورش میں حصہ لینے کے لیے آئے تھے۔ اگر ہم سیاسی حقوق کے لحاظ سے اپنا تجزیہ کریں تو نظر آتا ہے کہ زیادہ جنگجوان ممالک سے آئے تھے جہاں مطلق العنانیت تھی (مثلاً سعودی عرب وغیرہ)۔ تاہم یہاں پر شہری آزادی ایک مضبوط فیکٹر ہے۔

ورلڈ بنک وال سٹریٹ جرنل اور ہیریٹیج فاؤنڈیشن کے انڈیکس جو مختلف ممالک کی معاشی آزادی کو ظاہر کرتے ہیں کو جب میں نے اپنی تحقیق و تجزیے کے نتائج (معاشی سطح پر) حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا تو دو باتیں سامنے آئیں۔ پہلی یہ کہ عراق میں پکڑے گئے جنگجوؤں کا تعلق ان ممالک سے بھی زیادہ دکھائی دیا جہاں معاشی آزادی زیادہ تھی اور جن ممالک میں افسر شاہی معاشی ترقی میں روڑے اٹکاتی ہے وہاں سے ایسے لوگ بہت کم آئے تھے۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ عراق میں دہشت گردی کے خلاف جنگ کے دوران شہری آزادی کی اہمیت کو بہت کم اجاگر کیا گیا۔ بش انتظامیہ نے جمہوریت کی اہمیت پر زور دیا ہے لیکن ایسا کسی ملک پر قبضہ کیے بغیر بھی کہا جاسکتا ہے، یعنی آپ اس میں جمہوری ارادوں کے فروغ کے لیے کام کر سکتے ہیں نا کہ بڑھ کر اس پر حملہ کر دیں۔ 2003ء میں میں نے ''نیو یارک ٹائمز'' کے لیے ایک آرٹیکل لکھا تھا، اس میں اس بات پر بحث کی گئی تھی کہ دنیا میں شخصی و شہری آزادیاں جہاں جہاں کم ہوتی ہیں وہاں سے دہشت گردی و دہشت گرد سامنے آسکتے ہیں۔ دہشت

گردی کے خلاف ایسی آزادیاں بہت موثر ہتھیار ہیں۔ٹونی بلیر نے بھی ایک بار اسی قسم کی بات کی تھی جب انہوں نے کہا تھا،''جہاں جہاں لوگ جمہوریت کی چھتری تلے رہ رہے ہیں اور ان کے بنیادی حقوق محفوظ ہیں وہ لوگ اوران کی ریاستیں بہت کم ہی دہشت گردی کی جانب مائل ہوں گی۔اگر چہ اس پر مزید بحث ممکن ہے مگر یہ واضح طور پر دہشت گردی کو شکست دینے والے عناصر ہیں۔''

مجھے اس بات سے خاصی پریشانی ہے کہ شہری اور شخصی آزادیوں کا امریکا کے اپنے اندر انحصار و بیان مسائل کا باعث ہوسکتا ہے۔جیسا کہ بنجمن فرینکلن نے ایک مرتبہ لکھا تھا''وہ لوگ جو عارضی سلامتی کے لیے اپنے بنیادی حقوق کا سودا کرتے ہیں، وہ نہ تو آزادی کے قابل ہیں اور نہ ہی سلامتی کے۔'' یاد کریں کہ امریکا کے اپنے شہری (ٹموتھی میک وے) نے اوکلاہاما میں فیڈرل بلڈنگ کو بم سے اڑا دیا تھا، (19 اپریل 1995ء میں)۔یہ شخص جیسا کہ اس نے بعد میں دعویٰ کیا حکومت کے اس اقدام کے خلاف اپنا ردعمل ظاہر کررہا تھا، جس کے تحت امریکا نیشنل سیکورٹی کی آڑ میں شخصی آزادیاں سلب کررہا ہے۔

مجھے امریکا کے عراق میں کردار کی بھی بڑی فکر ہے کہ کیسے وہ عراق میں جمہوریت قائم کرنے کی کوشش کررہا ہے۔بعض اوقات شخصی آزادیاں سلب کرکے۔حکومت کی جانب سے کہا تو یہ جارہا ہے کہ جمہوریت کے فروغ سے دہشت گردی میں کمی آئے گی، مگر یہاں یہ بات زیادہ واضح نہیں کہ آیا دہشت گردی کی روک تھام جمہوریت سے ممکن ہے یا شخصی آزادی سے (تاہم ان دونوں کا تعلق خاصا گہرا ہے)۔جمہوریت کی خواہش نے شخصی آزادی کو بہت نقصان پہنچایا ہے، جیسا کہ گوانٹا نامو اور ابوغریب جیل میں کیا گیا۔عراق میں امریکی ناظم اعلیٰ نے''ال۔ہاوزا'' نامی اخبار کو یہ کہہ کر بند کروادیا کہ یہ بے چینی پھیلا رہا ہے (تاہم یہ اب دوبارہ سے چھپ رہا ہے) شاید یہ ایک اتفاقی امر تھا کہ اس اخبار کی بندش کے بعد عراق میں احتجاجی مظاہرے ہوئے اور کئی ایک جگہوں پر دہشت گردی کے واقعات بھی رونما ہوئے تھے۔اس کے ساتھ ساتھ امریکا کی فوج ''لنکن گروپ'' نامی ایک کمپنی کو اس بات پر رقم ادا کررہی تھی کہ وہ اس اخبار میں ایسی سٹوریاں چھپارہی تھی، یہ وہ حکمت عملی ہے جو بظاہر نقصان دہ نظر آتی ہے اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ تو شہری آزادیوں کو بحال رکھا جائے۔

نتیجہ

امریکی حکومت کی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ حکومت نے اس ڈیٹا پر بہت کم توجہ دی ہے جو دہشت گردی کے متعلق ہے۔کولن پاول نے جس طرح سے اس ڈیٹا

کے بارے میں مسائل پر توجہ دی، اس میں میں خاصا متاثر ہوا ہوں۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ ملٹری اور انٹیلی جنس ادارے اس کے بارے میں بہت سنجیدہ ہیں۔ مگر اب بھی ہم ایک ایسا ڈیٹا رکھنے سے کافی دور ہیں جو بین الاقوامی دہشت گردی کو سمجھنے میں ہماری مدد کر سکے، خاص کر اس کے وقت کے ساتھ ساتھ بدلنے کے رجحانات کی۔

مائیکرو لیول یا زیادہ تفصیلی ڈیٹا آمدنی اور دہشت گردی کی جڑ کے درمیان کوئی زیادہ تعلق نہیں دکھاتا۔ اسی طرح سے تعلیمی معیار چاہے وہ ملکی سطح پر ہو یا انفرادی سطح پر کا بھی اس سے نا تو مثبت تعلق نظر آتا ہے اور نہ ہی بالکل منفی۔ تاہم جیسا کہ اکثر ہم کہتے ہیں باہمی تعلق علیت کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس باہمی تعلق کا نہ ہونا ضروری نہیں کہ علیت کی کمی کی طرف اشارہ کر رہا ہو، اس باہمی تعلق کی کمی یا نہ ہونے سے میرا خیال ہے کہ ثبوت کا بوجھ ان کی جانب ہو جانا چاہیے جو یہ بحث کرتے ہیں کہ کم تعلیم، غربت اور دیگر معاشی مسائل دہشت گردی کے اہم ترین اسباب میں سے ہیں۔ میری تحقیق یہ دکھاتی ہے کہ شہری آزادیاں دہشت گردی کا ایک بہتر روک ہیں۔ اس بات کے امکانات ہیں کہ معاشی مسائل اور ان آزادیوں کے درمیان کچھ بالواسطہ تعلقات ہوں۔ امیر ممالک میں شہریوں کے ان حقوق اور سیاسی آزادیوں کا خیال رکھا جاتا ہے لہٰذا ان ممالک میں شدت پسند کم ہی اپنے ایجنڈے کے لیے دہشت گردی کی جانب مائل ہوتے ہیں۔ ڈیٹا ہمیں یہ بتاتا ہے کہ دہشت گردی کو ہم بطور ایک سیاسی عمل کے لیں نہ کہ معاشی مسائل کے ردعمل کے طور پر۔ تعلیم اور غربت غالباً اس کے ساتھ بہت کم تعلق رکھتی ہیں۔ دنیا میں تعلیم عام کرنے اور غربت کے خاتمے کے لیے بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں مگر دہشت گردی کی کمی غالباً اس میں شامل نہیں۔

عراق میں بیرونی جنگجوؤں کی قومیت

سابق امریکی صدر بش سے لے کر ملٹری پریس کے افسران تک نے یہ کہا ہے کہ عراق میں موجود یہ بیرونی حملہ آور امن اور سلامتی اور قانون کی حکمرانی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ یہ لوگ مقامی باغیوں کے مقابلے میں بہت کم ہونے کے باوجود امریکا کے عراق پر حملے کے بعد سے اب تک خطرناک ترین دہشت گردی کے حملوں میں ملوث رہے ہیں۔(4) مثال کے طور پر جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے میجر جنرل رِک لنچ جو کہ عراق میں ملٹی نیشنل فورس کے ترجمان ہیں نے کہا تھا ''عراق میں ایسے مہلک ترین حملوں کے بھی پیچھے ان بیرونی حملہ آوروں کا ہاتھ رہا ہے، اور صدر بش نے 2005ء میں اپنے

قوم سے خطاب کے دوران کہا تھا، ''عراق میں نظر آنے والی تباہی وہ لوگ لا رہے ہیں جو باہر سے یہاں پر اکٹھے ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ آزادی اور امن کے دشمن ہیں۔ ہماری افواج نے ان میں سے کئی کو پکڑ لیا ہے اور یہ پتہ چلا ہے کہ یہ سعودی عرب، شام، ایران، سوڈان، یمن، لیبیا اور دیگر ممالک سے آتے ہیں۔''

تاہم کئی جگہوں پر رپورٹوں میں بجا طور پر امریکی افسروں کے ان بیرونی حملہ آوروں کے کردار کے بارے میں بیانات پر سوالات اُٹھائے گئے ہیں کہ آیا یہ لوگ کہیں اس بارے میں مبالغہ آمیزی سے تو کام نہیں لے رہے تا کہ ان عوامل جن کے تحت یہ بیرونی حملہ آور اگر عراق میں آ رہے ہیں (اور دیگر کئی مقامات پر ایسا ہو رہا ہے) پر کم سے کم نظر پڑے، یہ ایک اہم تحقیقی پہلو ہے۔

بیرونی حملہ آوروں نے مثال کے طور پر افغانستان میں سوویت قبضے کے خلاف ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔ 1990 کی دہائی میں یہ حملہ آور بوسنیا میں بڑے فعال رہے تھے۔ بے شک بڑے بڑے جہادی لیڈر جن میں اسامہ بن لادن بھی شامل ہیں اس وجہ سے پیدا ہوئے تھے یعنی کسی مسلمان ملک میں مغرب کی مداخلت۔

عراق کے معاملے میں حاصل کردہ ڈیٹا یہ دکھا رہا ہے کہ وہ مسلم ممالک جو بغداد کے زیادہ نزدیک ہیں اور جہاں شہری و شخصی آزادیاں بہت کم ہیں، اور جن میں شیر خوار بچوں کی شرح اموات بھی کم ہے، ان حملہ آوروں کی بڑی تعداد عراق میں موجود ہے۔ کئی ملک جن کی شرح خواندگی، جی ڈی پی اور اس کے ملٹی نیشنل فورس میں شمولیت جیسے عوامل کا جہادیوں کی تعداد سے کوئی تعلق نہیں اس کے علاوہ جیسا کہ میں نے اپنے پہلے لیکچر میں کہا ہے تعلیم اور آمدن کا عراق میں انفرادی سطح پر بغاوت سے کوئی مسلسل تعلق ثابت نہیں ہوتا۔

عراق میں گرفتار کیے گئے بیرونی حملہ آوروں کا ڈیٹا جوان کی قومیت کو ظاہر کر رہا ہے خاصا پیچیدہ ہے۔ جیسا کہ ذکر آ چکا ہے امریکی حکومت کی جانب سے ایسے 311 جنگجوؤں کے بارے میں ڈیٹا پریس کو دیا گیا تھا۔ بدقسمتی سے یہ اس دوران نہیں بتایا گیا تھا کہ اس ڈیٹا کو کیسے اکٹھا کیا گیا۔ میجر جنرل لنچ کے مطابق ''اُن حملہ آوروں کی پہچان ان سے کئے گئے سوالات کی بنیاد پر کی گئی یا ان کاغذات کی بنا پر جو ان سے برآمد ہوئے تھے۔ لہٰذا ہم وثوق سے ان کے ممالک کے بارے میں کہہ سکتے ہیں۔''

اس ڈیٹا میں کئی غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً شام ایسا ملک ہے جہاں سے کئی جگہوں سے عراق میں

داخل ہوا جا سکتا ہے۔ اور یہ عین ممکن ہے کہ کئی لوگ وہاں سے شامی کاغذات حاصل کرنے عراق داخل ہو جائیں۔ اسی طرح سے جب عراق پر حملہ کیا گیا تو وہاں کچھ مصری مزدور موجود تھے۔ ممکن ہے کہ انہیں بھی پکڑ کر ڈیٹا میں شامل کر لیا گیا ہو۔ اور اس کے علاوہ یہ بات بھی ممکنات میں شامل ہے کہ وہ بیرونی حملہ آور ہلاک ہو گئے یا بچ نکلے جن کا تعلق ایسے ممالک سے ہو جن کا ڈیٹا میں ذکر نہیں۔ ان خامیوں کے باوجود یہ ڈیٹا ایک بہترین معلومات کا منبع کہا جا سکتا ہے۔

وہ 311 بیرونی حملہ آور جو گرفتار ہوئے اور جن کا ڈیٹا میں تذکرہ ہے ان کا تعلق 27 ممالک سے ہے، جیسا کہ فگر 2.4 میں بھی دکھایا گیا ہے۔ سب سے زیادہ تعداد مصریوں کی تھی (78)، شام (66)، سوڈان (41)، سعودی عرب (32)، اردن (17)، ایران (13)، فلسطین (12) اور تیونس (10) مغربی ممالک سے بھی لوگ ان میں شامل تھے۔ 2 برطانیہ کے تھے اور ڈنمارک، فرانس، آئرلینڈ اور امریکا ہر ملک میں سے ایک کا باشندہ شامل تھا، وہ ممالک جن کے کم باشندے قابو آئے وہ تھے: الجزائر (8)، لیبیا (7)، ترکی (6)، لبنان (3)، قطر (2)، متحدہ عرب امارات (2)، بھارت (2)، مقدونیہ (1)، مراکش (1)، صومالیہ (1)، یمن (1)، اسرائیل (1)، انڈونیشیا (1) اور کویت (1)۔

بے شک یہاں پر دنیا کے کئی ممالک سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں اور ایسا مشاہدے اور معلومات سے بھی ثابت ہے۔ اس سے ایک نمونہ بنانا مشکل ہو جاتا ہے۔ میں نے دو نمونے تیار کیے۔ پہلے میں مشرق وسطیٰ شمالی افریقہ، یورپ اور وسط ایشیا کے 76 ممالک شامل تھے، انہیں MENAECA کا نام دیا گیا۔ (5) دوسرے نمونے میں وہ 47 ممالک رکھے گئے جن کے دارالحکومت بغداد سے 3000 کلو میٹر کے فاصلے پر تھے۔ یہ تقریباً وہی فاصلہ ہے جو فونکس (ایریزونا) کا واشنگٹن ڈی سی سے ہے۔

اس ڈیٹا سیٹ میں دیگر کئی تغیرات یا بدلتی مقداروں کو رکھا گیا جیسا کہ آبادی، جی ڈی پی، 2004ء میں سیاسی و شخصی آزادیوں کا انڈیکس وغیرہ۔ ٹیبل 2A.1 میں ان MENAECA کے 76 ممالک کے لیے ان تغیرات کو دیکھا جا سکتا ہے۔

تجزیہ

ٹیبل 2A.2 میں ان 76 ممالک کے لیے ایک منفی دو عددی مراجعت یا واپسی کو ظاہر کر رہی ہے، اس میں تابع یا انحصار کرنے والی مقدار ان جنگجوؤں کو ظاہر کر رہی ہے جنہیں پکڑا گیا تھا۔ جبکہ ٹیبل 2A.3 میں باقی کے 47 ممالک کا ذکر ہے جن کے دارالحکومت بغداد سے 3000 کلومیٹر کے فاصلے پر

ہیں۔ دونوں نمونوں سے حاصل کردہ نتائج صفاتی اعتبار سے ایک جیسے ہیں۔ یہاں پر منبع ملک کی آبادی کا پکڑے گئے جنگجوؤں کی تعداد سے ایک مثبت تعلق نظر آ رہا ہے جبکہ اس ملک کے دارالحکومت کا بغداد سے فاصلہ یہاں پر ایک منفی اثر کا حامل ہے۔ ملک کے جی ڈی پی کا پکڑے گئے جنگجوؤں سے کمزور تعلق ان نمونوں سے ظاہر ہے۔

شیر خوار بچوں میں شرح اموات جن ممالک میں زیادہ ہیں وہاں سے کم لوگ عراق میں شورش برپا کرنے آئے تھے۔

جن ممالک میں شہری آزادیاں کم ہیں وہاں سے زیادہ جنگجو عراق میں آئے ہیں۔ شرح خواندگی کا بھی یہاں پر منفی اثر دکھائی دے رہا ہے۔ ممالک جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے سے زیادہ جنگجو عراق میں داخل ہوئے ہیں۔

اب ہم جائزہ لیتے ہیں ان ممالک کا جن کی فوجیں عراق میں امریکا کی اتحادی ہیں۔ اس عنصر کا بھی جنگجوؤں کی زیادہ یا کم تعداد سے تعلق کم نظر آ رہا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کسی ملک میں موجود امریکی فوجیوں کی تعداد کا اس ملک کے آنے والوں (عراق میں) سے کم اور منفی تعلق تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ امریکی فوجوں کا منبع ملک میں موجود ہونا ضروری نہیں۔

ٹیبل 2A4 میں پانچ سب سے بڑی مثبت اور منفی پیش آنے والی (بعد میں ہونے والی) غلطیوں کا ذکر کیا گیا ہے یہ ماڈل پکڑے گئے جنگجوؤں کی تعداد کو سعودی عرب سے بہت زیادہ دکھا رہا ہے۔ جبکہ ایران کے لیے یہ تعداد بہت کم ہے۔ اس ماڈل میں ان ممالک کے جنگجوؤں کی تعداد کے بارے میں پیش گوئی کی گئی ہے۔ یہ زیادہ تعداد اس بنا پر دکھائی گئی ہے کہ ان ممالک کا عراق سے فاصلہ کم ہے اور یہاں مسلم اکثریتی آبادی ہے اور یہاں پر شہری آزادی کا معیار بھی خاصا پست ہے۔ سعودی عرب کے لیے یہ تعداد کافی دکھائی گئی ہے کیونکہ وہاں پر شیر خوار بچوں میں شرح اموات کافی کم ہے جبکہ ایران کے لیے یہ تعداد بہت کم نظر آ رہی ہے اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ وہاں پر شیعہ مسلمان زیادہ تعداد میں ہیں اور یہ شیعہ عراق میں شورش برپا کرنے والوں میں بہت کم تعداد میں نظر آتے ہیں ہوسکتا ہے کہ انہیں عراق میں اس لیے گرفتار نہیں کیا جاتا کیونکہ وہاں پولیس میں شیعہ اکثریت میں ہیں۔

سعودی عرب کا معاملہ یہاں زیادہ پیچیدہ دکھائی دے رہا ہے، اور یہ بات دلچسپی کی حامل ہے کہ سعوی عرب، پاکستان، متحدہ عرب امارات اور کویت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے یہ جنگجو کافی

تعداد میں عراق آ رہے ہیں۔ شاید ایسا اس وجہ سے ہے کہ ان ممالک کی حکومتیں امریکہ کی زیادہ حامی ہیں۔ دوسری سمت میں وہ ممالک جن کی زیادہ تعداد میں جنگجو عراق میں اب تک آئے ہیں سے مستقبل میں آنے والے جنگجوؤں کی تعداد کم دکھائی دیتی ہے۔ یہ ممالک ہیں، اُردن، مصر، سوڈان اور شام۔ اُردن سے ان کے آنے کی وجہ شاید یہ ہے کہ ابو مصاب الزرقاوی' القاعدہ کے لیڈر کا تعلق اُردن سے تھا۔ شام اور مصر کے بارے میں پہلے لکھا جا چکا ہے کہ وہاں سے آنے والے جنگجوؤں کی تعداد ماڈل میں دی گئی تعداد سے کہیں زیادہ ہوسکتی ہے، جبکہ سوڈان سے ان لوگوں کے زیادہ تعداد میں آنے کی وجہ شاید تھی کہ وہاں پہلے القاعدہ کا ہیڈ کوارٹر تھا اور خانہ جنگی بھی جاری تھی۔

Table 2A.1 Description of Variables

Variable	**Mean**	**Standard deviation**	**Source**
Number of captured insurgents	3.92	13.02	Multi-National Force-Iraq
Population (millions)	39.00	128.05	CIA World Factbook
Distance to Baghdbad (Kilometers)	2,791	1,414	U.S. Department of Agriculture
GDP per capita ($)	$ 12,677	$12,076	CIA World Factbook
Percent literate	85.34	19.64	CIA World Factbook
Civil liberties index (1 = high, 7 = low)	3.47	2.06	Freedom House
Political rights index (1 = high, 7 = low)	3.61	2.30	Freedom House
Coalition member (1 = yes)	.28	.45	Congressional Research Service
Percent Muslim	42.81	43.17	CIA World Factbook
Infant mortality (per 1,000 live births)	31.34	33.58	CIA World Factbook

Note: Sample size is 76 countries in the Middle East, Northen Africa, Europe, and Central Asia.

Table 2A.2 Negative Binomial Regression Models for MENAECA Countries

Explanatory variable	Model (1)	(2)	(3)
Ln population	0.803	0.784	0.737
	(0.269)	(0.241)	(0.200)
Ln distance to Baghdad	-1.833	-1.285	-0.909
	(0.519)	(0.500)	(0.465)

Ln GDP per capita	-0.153	1.142	0.062
	(0.357)	(0.478)	(0.490)
Percent literate	–	0.024	-0.046
		(0.028)	(0.026)
Civil liberties index	–	0.454	0.530
(1 = high, 7 = low)		(0.212)	(0.188)
Coalition member		-0.396	-0.091
(1 = yes)		(1.010)	(0.897)
Percent Muslim		0.023	0.020
	–	(0.011)	(0.009)
Infant mortality rate	–	–	-0.057
(per 1,000 live births)			(0.020)
Log likelihood	-109.05	-96.15	-91.87
Pseudo-R2	0.09	0.20	0.23

Notes: The dependent variable is the number of captured foreign insurgents. Estimates also include a constant. Standard errors are given in parentheses. Sample size si76 Mean (standard deviation) of dependent variable is 3.92 (13.02).

Table 2A.3 Negative Binomial Regression Models for sample of Countries whose capital city is within 3,000 Kilometers of Baghdad

Explanatory variable	**(1)**	**(2)**	**(3)**
Ln Population	0.962	0.799	0.772
	(0.420)	(0.381)	(0.292)
Ln distance to Baghdad	–2.021	–2.586	–1.634
	(0.819)	(1.004)	(0.833)
Ln GDp per capita	–0.105	0.451	–0.738
	(0.654)	(0.555)	(0.575)
Percent literate	–	–0.025	–0.047
		(0.039)	(0.033)
Civil liberties index	–	0.764	0.678
(1 = high, 7 - low)		(0.377)	(0.276)
percent Muslim	–	0.027	0.031
		(0.015)	(0.013)
Infant mortality rate	–	–	–0.068
(per 1,000 live births)			(0.023)
Log likelihood	–73,90	–63.72	–59.03
Pseudo–R	0.08	0.20	0.26

Note: The dependent variable is the number of captured insurgents. Estimated also include a constant. Standard errors are given in parentheses. Sample size is 47 Mean (standard deviation) of dependent variable is 5.75 (16.26).

نتیجہ:

تمام تر مباحثوں، ڈیٹا کے مطالعہ اور مختلف ٹیبلز سے جو بات سامنے آئی ہے وہ یہ کہ عراق میں بیرونی جنگجو زیادہ تر ان مسلمان ملکوں سے آ رہے ہیں جہاں عوام مطلق العنان حکمرانوں کے آگے بے بس ہیں۔ ان ملکوں کے معاشی حالات کا ایسے لوگوں کے عراق میں آ جانے سے زیادہ تعلق نظر نہیں آ رہا۔ اب تک بہت کم سعودی اور ایرانی عراق میں ملٹی نیشنل فورس نے پکڑے ہیں حالانکہ معاشی ماڈل کے مطابق انہیں زیادہ عراق میں آنا چاہیے جبکہ توقع کے برعکس شامی، سوڈانی زیادہ پکڑے گئے ہیں۔ تاہم ہم یہاں پر با آسانی یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ بہت سی قوموں کے لوگ ابھی تک زیر زمین ہیں اور کئی پکڑے گئے ایسے بھی ہیں جن کے پاس جعلی کاغذات ہو سکتے ہیں۔ کسی ملک میں شیعہ لوگوں کا زیادہ ہونا بھی وہاں سے ان جنگجوؤں کے عراق میں داخل ہونے کا باعث ہو سکتا ہے۔ یہاں پر ان باتوں کے اثر کو جاننے کے لیے ہمیں مزید کام کرنا ہوگا۔

ایک اور دلچسپ سوال یہاں پر یہ ہے کہ فاصلے کی کیوں اتنی اہمیت ہے (جیسا کہ ہمارے ماڈلز دکھا رہے ہیں) زیادہ فاصلے کی وجہ سے زیادہ خرچہ آ سکتا ہے تاہم عراق جانے کے لیے زیادہ رقم کی ضرورت نہیں پڑتی دوسری ممکنہ بات یہ ہو سکتی ہے کہ عراق کے پڑوسی اس کے معاملات میں باقیوں سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں ان کی سوچ یہ ہو سکتی ہے کہ ہمیں اس خانہ جنگی سے کوئی فائدہ شاید مل جائے۔

آخری بات یہاں پر یہ کہنا چاہیے کہ خانہ جنگی اور دہشت گردی میں واضح فرق ہے۔ جی ڈی پی خانہ جنگی میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے جبکہ دہشت گردی کا اس سے مثبت تعلق ٹارگٹ ملک میں نظر آتا ہے جبکہ منبع ملک میں یہ زیادہ تر منفی ہوتا ہے۔ اسی طرح سے کم درجے کی شہری اور شخصی آزادیاں دہشت گردی کے لیے ایک مثبت عنصر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر ان باتوں کو مدِ نظر رکھا جائے تو عراق میں شورش خانہ جنگی نہیں بلکہ دہشت گردی ہے۔ یہ نتیجہ اس عام فہم خیال سے مطابقت رکھتا ہے کہ بیرونی جنگجوؤں کے عراق میں مقاصد مقامی باغیوں سے مختلف ہیں۔ یہ لوگ ہماری تعریف کے مطابق خانہ جنگی کا باعث ہیں۔

لیکچر نمبر 3

دہشت گردی سے کیا حاصل ہوتا ہے؟
دہشت گردی کے معاشی ،نفسیاتی نتائج

میں نے پہلے لیکچر میں دہشت گردی کا مائیکرو لیول پر تذکرہ کیا تھا، دوسرے میں میں نے اس کا ذکر بڑے پیمانے پر کرتے ہوئے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ کونسے ممالک ان دہشت گردوں کو پیدا کرنے کا باعث ہو سکتے ہیں اور کونسے ملک ان کا نشانہ بن سکتے ہیں۔اس لیکچر میں میں دہشت گردی کے نتائج کا ذکر کروں گا، یہ وہ میدان ہے جس پر میں نے خود ذاتی طور پر کام کیا ہے، میں یہاں اس کو بیان کروں گا، پہلے میں معاشی پہلوؤں پر بحث کروں گا۔اس کے بعد نفسیاتی نتائج پر بات کی جائے گی اس کے بعد میڈیا کا ذکر کیا جائے گا۔میں نے یہاں پر دہشت گردی کا ان دوسرے خطرات سے بھی موازنہ کیا ہے جو ہمیں درپیش ہیں، اور اسے ایک تاریخی تناظر میں بھی لیا ہے، آخر میں دہشت گردی کے ٹارگٹ ملک پر سیاسی اثرات کا ذکر کیا جائے گا۔

دہشت گردی کے معاشی نتائج: بڑے اثرات یا چھوٹے

دہشت گردی کے معاشیات پر نقصان کے بارے میں دو آراء ہیں۔ایک کے مطابق اس عمل سے کسی ملک کی معیشت پر کم اثر پڑتا ہے۔اس نظریے کو شکاگو یونیورسٹی کے گیری بیکر اور کیون مرفی نے 2001ء میں پیش کیا تھا، اس میں میں بھی کچھ عرصے کے لیے شریک رہا ہوں۔ دوسرے خیال کے

مطابق دہشت گردی کسی بھی ملک کی معیشت پر بُرے اثرات چھوڑ سکتی ہے۔البرٹو ابیڈ جس کا تعلق کینیڈی سکول، ہاورڈ سے ہے اور باسک یونیورسٹی کے ہاویئر گارڈیزابل، میں اور گیری بیکر اسی خیال کے حامی ہیں۔ہم دونوں یعنی میں اور گیری بیکر دونوں آرا کو مانتے ہیں۔آئیں ان کا جائزہ لیں۔

چھوٹے یا کم اثرات

''سمال ایفکٹ Small Effect'' کے بارے میں یہ بحث پیش کی جاتی ہے کہ دہشت گردی کے حملے انسانی سرمایے پر کم اثر انداز ہوتے ہیں، یہ سرمایہ جو کہ پیداوار کا ذمہ دار ہے۔جدید معیشت میں یہ انسانی سرمایہ جی ڈی پی کے اونچے درجات کا باعث ہے۔عمارات دوبارہ تعمیر ہوسکتی ہیں، سڑکوں کو مرمت کیا جاسکتا ہے۔نئی گاڑیاں اور جہاز تیار ہوسکتے ہیں۔اہم بات یہ ہے کہ ہم ان کو بنانے والون لو گوں کی حفاظت کریں یہ ہوں گے تو یہ اشیاء تیار ہوں گی۔خوش قسمتی سے اب تک جتنے بھی دہشت گردی کے حملے دنیا بھر میں ہوئے ہیں ان سے انسانی آبادی کے مقابلے میں کم نقصان ہوا ہے۔

اس نظریے کی رو سے پیداوار کے عناصر میں ایک دوسرے کی جگہ لینے کی بہت گنجائش یا مواقع موجود ہیں اس کی مثال میں یہ کہنا چاہیے کہ نائن الیون کے بعد بہت سی کمپنیاں جن کا تعلق مالیات سے تھا کی جگہ ختم ہوگئی (ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی کے نتیجے میں) تو کئی نے ہوٹلوں اور دیگر عمارات میں کام شروع کر دیا اور یہ وہ جگہیں تھیں جو اکثر خالی رہتیں کیونکہ لوگ سفر کرنے سے خوفزدہ تھے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کمپنیاں یا ادارے کیسے اپنے آپ کو ڈھال لیتے ہیں اور کیسے ایک ذریعہ ختم ہو جانے کے بعد دوسرے پر انحصار کیا جاتا ہے۔ان حملوں کے بعد موجودہ جگہوں کو بہتر طریقے اور انداز سے استعمال کیا جانے لگا خاص کر تہہ خانوں کو۔موقع اور صلاحیت جس سے ان پٹ یا کام کو تبدیل یا اس کے انداز کو بدل دیا جاتا ہے سے بھی دہشت گردی میں کمی آتی ہے۔اس کے علاوہ نائن الیون کے بعد دہشت گردی کے خلاف کام کرنے والی ایجنسیوں کے کام کو بڑا فروغ حاصل ہوا تھا اور اس سے بھی دہشت گردی کے اثرات معیشت اور روزگار پر کم ہوئے تھے۔

ان چھوٹے اثرات کے بارے میں نظریہ قدرتی آفات کے اثرات کا مطالعہ کر کے قائم کیا گیا ہے۔یہ قدرتی آفات دہشت گردی کے حملوں سے کہیں زیادہ نقصان کا باعث بنتی ہیں، ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اثرات عارضی ہوتے ہیں۔مثال کے طور پر 1992ء میں میامی کے جنوب میں اینڈریو نامی طوفان نے بہت تباہی مچائی تھی، تاہم اس کا معیشت پر عارضی اثر پڑا تھا۔

اتفاق کی بات ہے کہ میں اور گیری بیکر نے انہی باتوں کی جانب اپنی تحقیق کے دوران اشارہ کیا تھا جو جارج ہاوروچ نے جاپان میں کوبے میں آنے والے زلزلے کے مطالعہ سے اخذ کی تھیں۔ جنوری 1995ء میں آنے والے اس زلزلے نے 100000 عمارات تباہ کردیں، 250000 کو شدید نقصان پہنچا۔ تقریباً 300000 کے قریب لوگ بے گھر ہوگئے اور 6500 ہلاک ہوئے، تاہم پندرہ مہینوں کے بعد اس شہر کی پیداوار زلزلے سے پہلے کی پیداوار کے 90 فیصد تک آ گئی تھی۔ 80 فیصد سٹور کھل گئے تھے اور عمارات بنانے کے لیے سرمایہ کاری میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔ شہر جنگوں کے نتیجے میں تباہی کے بعد بھی بڑی تیزی سے ترقی کرتے ہیں۔ مثلاً جرمنی کے بارے میں مشہور ہے کہ اس کے شہروں نے جنگ کے بعد بڑی تیزی سے ترقی کی تھی۔ یہی کچھ لندن میں بھی جرمن بمباری کے بعد دیکھا گیا۔

اسی طرح سے دہشت گردی کے حملے بھی شہروں کو وقتی نقصان پہنچاتے ہیں بعد میں بڑی ترقی دیکھنے کو ملتی ہے ایک کتاب ''Resilient city: The Economic Impact of 9/11'' جسے سیج فاؤنڈیشن کی جانب سے چھاپا گیا ہے میں بتایا گیا ہے کہ نیویارک میں کیسے کاروباری ترقی ہوئی تھی ایسا ہی لندن میں جولائی کے حملوں کے بعد دیکھنے کو ملا تھا۔

''بڑے اثرات'' والا نظریہ:

اس نظریے کے حامی تین نکات پر بحث کرتے ہیں، نمبر ایک یہ کہا جاتا ہے کہ اگرچہ انفرادی طور پر کمپنیاں دہشت گردی کے حملوں کے بعد ترقی کر سکتی ہیں مگر کچھ ادارے یا صنعتیں ایسی بھی ہیں جو بہت زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔ نائن الیون کے بعد ٹریول انڈسٹری کو بہت نقصان ہوا تھا۔ جبکہ فنانس ادارے بعد میں بڑے موثر انداز میں آگے آئے تھے، اگر دہشت گرد براہ راست ان اداروں کو نشانہ بناتے تو یہ ممکن تھا کہ اس سے معیشت کی وہ شاخیں مثلاً زمینی خرید و فروخت اور گاڑیوں کا کاروبار بہت متاثر ہوتا۔ اگر دہشت گرد معیشت کو نقصان پہنچائیں تو اس کے اثرات متعلقہ حصوں پر بہت زیادہ ہو سکتے ہیں۔

دوسرا نکتہ جس پر بحث کی جاتی ہے کے مطابق، دہشت گردی کے حملوں سے لوگ ہو سکتا ہے کہ اوورری ایکٹ کریں یعنی ضرورت سے زیادہ اپنا ردعمل دکھائیں۔'' گیری بیکر اور یونا روبنسٹین کے مطابق یہ ردعمل منطقی ہو سکتا ہے، اور یہ اس وقت بھی ممکن ہے اگر لوگ یہ سمجھ رہے ہوں کہ ان کے شکار بننے کے مواقع خاصے کم ہیں۔ میرے نزدیک یہاں پر قطعیت یا منطق کی حدود کے بارے میں بات ہونی چاہیے۔ میرا بھی یہ خیال ہے کہ لوگ دہشت گردی کے حملوں کے ردعمل میں اتنا خوفزدہ ہو سکتے ہیں

کہ اپنی روزمرہ کی ضروریات کو بھی نظر انداز کر دیں (پتہ نہیں کل کیا ہوگا؟) نائن الیون کے بعد یہی خوف تھا کہ لوگ اب خرید وفروخت بالکل چھوڑ دیں گے مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہوا۔

دوسری قسم کا حد سے بڑھا ہوا ردعمل جو دہشت گردی کے نتیجے میں سامنے آ سکتا ہے اور جو بُرے اثرات کا حامل ہوگا اس کے نتیجے میں حکومتیں غلط قدم اُٹھا سکتی ہیں، مثال کے طور پر حکومتیں تارکین وطن کے خلاف ایکشن لے سکتی ہیں جس سے معیشت کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ برطانیہ اور امریکا میں کاریگر اور دیگر مزدور لوگ دوسرے ممالک سے آئے ہیں اور یہ ان دونوں ممالک کی معیشت میں ایک فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔ اب لوگوں کے لیے دونوں ممالک میں جانا خاصا مشکل ہوگیا ہے اسی طرح سے طالب علموں کے لیے بھی کئی پیچیدگیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ اس بڑھے ہوئے ردعمل کے نتیجے میں بعض مرتبہ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ملک دوسرے پر اس شک کی بنا پر حملہ کر دے کہ اس نے دہشت گردی کو پناہ دی ہے وغیرہ، اس اقدام سے دہشت گردی کے خاتمے میں کوئی مدد نہیں ملتی بلکہ اُلٹا نقصان ہوتا ہے۔

تیسرے نکتے کی رو سے یہ خیال پیش کیا جاتا ہے کہ ایسے حملوں جیسا کہ نائن الیون کا تھا کے بعد بے یقینی بے چینی بڑھ جاتی ہے۔ نکولس بلوم جو اب سٹیفورڈ یونیورسٹی میں ہے نے ماہانہ سٹاک مارکیٹ کے اہم واقعات کے دوران جلدی سے ختم ہو جانے والی یا تبدیل ہونے والی صفت پر ایک ڈیٹا مرتب کیا ہے۔ گراف جو کہ یہاں دیا جا رہا ہے میں S & P 100 نامی ایک تجارتی کمپنیوں پر مشتمل گروپ کی ہر ماہ قیمتوں کی چال کو دکھایا گیا ہے۔ نائن الیون کے بعد والے مہینے کو اس گراف میں دائرے میں دکھایا گیا ہے، یہ وہ دور تھا جب مارکیٹ بڑی تیزی سے تبدیل ہو رہی تھی۔ اسی زمانے میں ایزون Enron نامی کمپنی بڑے کٹھن حالات سے دوچار تھی اور اس تشویش کا اظہار کیا جا رہا تھا کہ اب امریکا کی معیشت میں بدعنوانی یا کرپشن بہت بڑھ جائے گی۔

اب اس بے یقینی کی کیفیت کے کیا مقاصد ہو سکتے ہیں؟ جیسا کہ بلوم نے ذکر کیا ہے کہ چند کمپنیاں ہوسکتا ہے کہ ردعمل کے طور انویسٹمنٹ روک دیں۔ اس سے معیشت نیچے کی سمت چلی جائے گی۔ بے شک بلوم کا یہ کام اسے پُر امید کیمپوں میں جگہ دے رہا ہے کیونکہ اس کے مطابق یہ نیچے جانے کا رجحان عارضی ہوگا چاہے اس کی شدت زیادہ ہو۔ بلوم کے مطابق آدھے سال کی جی ڈی پی گروتھ تو اس بے یقینی کی کیفیت سے ختم ہو سکتی ہے جو کسی دہشت گردی کے حملے میں نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔

(1962ء سے 2004ء تک کی امریکن سٹاک مارکیٹ میں تبدیلی)

تو اب بڑے اثرات کے بارے میں کیا مثبت بات ہوسکتی ہے۔ کچھ محققین کا کہنا ہے کہ اگرچہ کسی شہر میں زلزلہ آجانے کے بعد معاشی سرگرمیاں بڑھ جاتی ہیں مگر یہ عارضی ہوتی ہیں۔ ہائینز اور جرامیلو نے 2004ء میں اس بات کا انکشاف کیا تھا کہ زلزلے بے شک بعد میں معاشی ترقی کا باعث بن سکتے ہیں تاہم بعد میں ان سے سرمایہ پہلے کی نسبت کم ہوجاتا ہے۔ اس سرمایے یا املاک کی جگہ انویسٹمنٹ کی جاتی ہے مگر اسی سے بچت اور حکومتی سرمایے میں کمی واقع بھی ہوجاتی ہے۔ ان دونوں نے مزید کہا کہ زلزلے کسی بھی ملک کی جی ڈی پی میں 2 فیصد تک کمی کا باعث بن سکتے ہیں۔ البرٹو ابیڈ اور جاوئیر گاڈیز ابل نے بھی سٹڈی سے بتایا ہے کہ دہشت گردی کے حملے بیرونی سرمایہ کاری میں کمی کا باعث بنتے ہیں۔

اس سے پہلے کی ایک سٹڈی میں البرٹو ابیڈ اور ہائیر گارڈیز ابل نے 2003ء میں ایک متاثر کن شہادت، بڑے اثرات کے بارے میں پیش کی۔ ان کی سٹڈی میں سپین کا باسک علاقہ شامل تھا، یہ علاقہ عرصہ دراز سے دہشت گردوں کے حملوں کا مقام رہا ہے۔ یہاں ایک تنظیم ETA علاقے کی آزادی کے لیے مسلح جدوجہد میں مصروف ہے۔ اسے باسک تحریک کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، یہ تحریک 1960ء کی دہائی کے اختتام تک تشدد سے دور تھی اور 1970ء کی دہائی کے وسط تک اس کی شدت پسندی میں زیادہ اضافہ نہیں ہوا تھا۔

ابیڈ اور گارڈیز ابل نے سپین کے مختلف علاقوں کی سٹڈی کی اور پھر ان کا باسک علاقے سے معاشرتی اور معاشی موازنہ کیا، اس کے بعد دونوں نے ایک خاص حسابی معاشیات کا طریقہ استعمال

کرتے ہوئے ان مختلف علاقوں کا ایک فرضی علاقے سے موازنہ کیا۔ یہ فرضی علاقہ باسک کو ظاہر کر رہا تھا مگر وہاں ETA کی کوئی جگہ نہ تھی یعنی باسک علاقہ بغیر ETA کے۔ فگر 3.2 میں گراف کو دکھایا گیا ہے صاف دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ علاقے جہاں دہشت گردی نہیں تھی اور فرضی علاقہ جہاں ETA کی سرگرمیاں دونوں محققین نے فرض کیا تھا کہ نہیں ہیں معاشی طور پر باسک علاقے سے بہت آگے جا رہے تھے۔ 1970ء تک یہ علاقے جی ڈی پی کے لحاظ سے دس فیصد تک آگے تھے۔

اگر کوئی علاقہ جو لگ بھگ باسک صوبے کے برابر ہو اور اس کی جی ڈی پی 10 فیصد کے حساب سے کم ہو رہی ہو تو میں کہوں گا کہ دہشت گردی معیشت کو متاثر کر رہی ہے۔

ابیڈ اور گارڈیز ابل نے معلوم کیا تھا کہ جی ڈی پی کو ظاہر کرنے والی لائنیں دہشت گردی کے حصے سے ہونے والے نقصانات کے ساتھ بدل رہی ہیں (فگر 3.3)۔ اس گراف سے دیکھا جا سکتا ہے کہ جی ڈی پی میں فرق (باسک اور دوسرے علاقوں کا) زیادہ تھا جب دہشت گردی کے حملے ہوئے۔ اس قسم کی سٹڈی کو دنیا کے دیگر حصوں پر لاگو کرنا مفید ہوگا۔ یہ رجحان سپین کے لیے خاص اور مخصوص ہو سکتا ہے یا یہ ایک جنرل ماڈل کے طور پر لیا جا سکتا ہے۔

فگر 3.2 - (باسک علاقوں کے لیے جی ڈی پی 1997-1955ء تک)

فگر 3.3 - جی ڈی پی گیپ 1997 - 1955ء تک اور دہشت گردی کے نتیجے میں ہوانے والے نقصانات 2000 - 1968ء تک باسک علاقے میں)

سٹارک مارکیٹ کی سٹڈی سے کمپنیوں کے کام کو مختلف مارکیٹوں میں، وہاں پر وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے اعتبار سے دیکھا جاسکتا ہے۔اینڈریو کا رولی اور روڈوف مارٹل نامی دو امریکن ماہرین معاشیات نے اس بارے میں ایک پیپر شائع کیا تھا۔

اس مقالے میں دونوں ماہرین نے ایک معیاری سٹارک مارکیٹ واقعاتی ماڈل استعمال کیا یعنی ایسا ماڈل جس میں واقعات کے حوالے سے کمپنیوں کی کارکردگی کا جائزہ لیا جائے۔ان کا خیال یہ تھا کہ ایک خاص سٹاک کی چال کا اس بات پر انحصار ہونا چاہیے کہ اس کمپنی کے اس سٹاک کا ماضی میں کیا حال رہا تھا اور اب اس کی کیا صورتِ حال ہے۔انہوں نے اپنے اس سٹڈی میں 75 کے قریب دہشت گردی کے حملوں کا مطالعہ کیا تھا، یہ وہ حملے تھے جو عوامی تجارتی کمپنیوں پر کیے گئے تھے مثلاً پاکستان میں میکڈانلڈ کی کوئی آوٹ پٹ دہشت گردی کا نشانہ بن سکتی ہے۔انہوں نے اپنا ڈیٹا امریکن سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی اس رپورٹ سے حاصل کیا تھا جس کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ان سارے حملوں میں انہوں نے اس کمپنی کی نشاندہی کی تھی جو دہشت گردی کا نشانہ بنی اور اس بات کا اندازہ لگایا کہ کمپنی کے سٹاک حملے سے 200 دن قبل کس حالت میں تھے۔اس کے بعد انہوں نے اس چال کا موازنہ حملے سے کچھ دن پہلے کے، حملے کے دن اور چند دن کے بعد چال سے کیا۔ٹیبل 3.1 میں کیرولی اور مارٹل کے نتائج کو دیکھا جاسکتا

ہے۔اس میں کمپنیوں کے لیے ایک روٹین سے ہٹ کر واپسی یا Abnormal ریٹرن کو دکھایا گیا ہے۔(6) یہ اصطلاح کمپنی سٹاک کے اصل ریٹرن جو کہ ایک دن کے لیے لیا جائے اور اس ریٹرن کے درمیان فرق کی جانب اشارہ کرتی ہے جو اسی دن کے لیے ساری مارکیٹ کے لحاظ سے پیش کیا جاتا ہے۔ دہشت گردی سے پہلے کے ایام میں کوئی بھی ایسی تبدیل دکھائی نہیں دیتی، یعنی ابنارمل ریٹرن نہیں ہوتا ان دنوں میں سٹاک معمولی تبدیلیوں سے گزرتا ہے۔ جب ان 75 کمپنیوں پر دہشت گردی کے حملے ہوئے تو اس دن سٹاک کی قیمت اوسطاً 0.83 فیصد تک نیچے آئی تھی۔ اور اس مقدار کو ہم اتفاقی نہیں کہہ سکتے۔ آنے والے ہفتے کا ڈیٹا یہ کھا رہا تھا کہ نا تو یہاں پر پیداوار میں کمی آئی تھی اور نا ہی سٹاک پہلی والی حالت پر آئے تھے، قیمت میں تقریباً فیصد پوائنٹ کے آٹھ سے دس حصوں تک کمی بھی آئی تھی۔ ان اعداد و شمار سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ کمپنیوں کے حصص تقریباً ہر حملے کے بعد 400 ملین ڈالر تک گر گئے تھے۔ بے شک ہر کمپنی کے لیے اثرات مختلف تھے۔ ٹیبل 3.2 میں دیکھا جا سکتا ہے کہ پانچ کمپنیاں، شیل، ایمکو، کوکا کولا، میکڈانلڈ اور امریکن ائیر لائنز کو دہشت گردی سے بہت نقصان ہوا تھا۔

Table 3.1 Abnormal Stock Returns around the Day of a Terrorist Attack for Seventy Five Targeted Companies

Days before or after terrorist attacK	Abnormal return (%)	*t*-ratio
-7	-0.07	-0.1
-6	0.00	0.0
-5	0.25	1.2
-4	0.21	1.0
-3	0.21	1.0
-2	-0.39	1.7
-1	0.33	1.6
0	-0.83	-4.0
1	0.11	0.4
.2	0.16	0.9
3	0.06	0.3
4	-1.14	-1.1
5	0.46	1.2
6	-0.28	-1.3
7	-0.30	-1.0

(دہشت گردوں کے حملوں سے ہونے والے بڑے نقصانات)

Table 3.2 Largest Losses from Terroist Attacks

Company	Cumulative loss (billions of US$)
Royal Dutch Shell	10.3
British Petroleum-Amoco	7.3
Coca-Cola	4.3
McDonald's	3.7
American Airlines	2.3

اس سٹڈی سے یہ بھی دکھایا گیا کہ دہشت گردی کے کسی ایک کمپنی پر حملے نے اس کے مقابلے والی کمپنی پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا۔ یعنی اگر میکڈانلڈ پر حملہ ہوا تھا تو ''برگر کنگ'' کے سٹاک پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ سٹاک مارکیٹ کا ردعمل اسی کمپنی کی جانب دیکھنے کو ملتا ہے جس پر دہشت گردی کا حملہ ہوا ہو یہ بات میرے لیے خاصی حیران کن ہے کیونکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ اگر میک ڈانلڈ پر حملہ ہوا ہے تو برگر کنگ کی سٹاک مارکیٹ پر خاطر خواہ اثر پڑنا چاہیے۔

اپنی اس سٹڈی میں کیرولی اور مارٹل نے دہشت گردی کے حملوں کی اقسام پر بھی کام کیا ہے مثلاً ایسے حملے جن میں دہشت گرد خودکار ہتھیار استعمال کرتے ہیں اور وہ حملے جن میں کسی جگہ کو ٹائم بم سے تباہ کر دیا جاتا ہے۔ مگر حملہ جس سے کسی کمپنی کی سٹاک مارکیٹ بہت متاثر ہوتی ہے، وہ ہے جس میں کمپنی کے کسی چیرمین یا اعلیٰ افسر کو اغوا کر لیا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسانی نقصان سے کاروباری ساکھ بہت متاثر ہوئی ہے۔ یہ بات اس سٹڈی سے بھی ثابت ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ اگر کوئی افسر کمپنی کے دفتر میں مر جائے تو اس کے سٹاک مارکیٹ بہت متاثر ہوتی ہے۔

آخر میں کیرولی اور مارٹل نے ان ممالک کی سٹڈی کی جس میں یہ کمپنیاں واقع تھیں، انہوں نے ان کی معاشی حالت اور وہاں جمہوری اقدار کو بھی اس سٹڈی میں شامل کیا۔ انہوں نے یہ دریافت کیا تھا کہ وہ ممالک جہاں زیادہ جمہوریت اور اچھی معیشت ہے دہشت گردی نے کمپنی کی سٹاک مارکیٹ کو بہت متاثر کیا تھا۔ یہ نکتہ میری اس بات کو ثابت کر رہا ہے جو میں نے اپنے پہلے لیکچر میں کہی تھی کہ دہشت گرد زیادہ تر جمہوری ملکوں کو نشانہ بناتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ یہ سوچ رکھتے ہیں کہ ان ممالک میں کمپنیوں ،سفارت خانوں اور دیگر املاک کو نقصان پہنچا کر وہ رائے عامہ پر اثر انداز ہو سکتے ہیں جو جمہوری ممالک میں پالیسی میں تبدیلی کا باعث بن سکتی ہے اور ایسا مطلق العنانیت کے سائے تلے رہنے والے ممالک میں نہیں ہوتا۔

کم یا زیادہ

میں یہاں پر دہشت گردی کے حملوں کا چھوٹی کمپنیوں کی سٹاک ویلیو پر اثرات بیان کرنا چاہوں گا۔ مثال کے طور پر ہم یہ فرض کر لیں کہ ہر حملہ ایک کمپنی کو 400 ملین ڈالر کا نقصان پہنچاتا ہے۔ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ڈیٹا کے مطابق امریکا کے خلاف ہر سال اوسطاً 16 دہشت گردی کے حملے ہوتے ہیں۔ یہ حملے صرف کمپنیوں کے اثاثوں پر نہیں کیے جاتے بلکہ ان میں سے کچھ کا نشانہ افراد، امریکی سفارت خانے، امریکی انسان دوست اداروں کے وہ لوگ جو بیرون ملک مقیم ہیں، بنتے ہیں۔ ان حملوں سے بے شک بہت معاشی نقصان ہوتا ہے۔ تاہم ابھی تک یہ بات واضح نہیں ہوسکی کہ آیا اوسطاً نقصان 400 ملین ڈالر تک کا ہوسکتا ہے۔ تاہم اگر ہم فرض کریں کہ اوسطاً نقصان 400 ملین ڈالر کا ہی ہے تو اس کو 16 پر ضرب دے کر 6.4 ملین ڈالر کی مقدار حاصل ہوتی ہے یعنی امریکا کو اوسطاً ہر سال 6.4 ملین ڈالر کا دہشت گردی کے حملوں سے نقصان ہورہا ہے۔ یہ مقدار امریکا کے جی ڈی پی کا صرف 0.064 حصہ ہے لہٰذا اس اعتبار سے میں اسے ایک کم درجے کا نقصان کہوں گا۔ یہاں پر آسانی سے یہ بحث کی جاسکتی ہے کہ یہ حساب بے معنی یا فضول ہے، کیونکہ دہشت گردی کے یہ اثرات اپنے متعلقہ اہداف سے کہیں آگے جاسکتے ہیں۔ اور یہ حساب ان اثرات کو مِس کر رہا ہے۔ اگلے حصے میں میں نے ان کا ذکر نفسیاتی عوامل کے طور پر کیا ہے جو انفرادی اثرات سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں۔

کچھ صنعتوں مثلاً ٹورازم یا ٹریول انڈسٹری پر دہشت گردی کا براہ راست اثر پڑتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دہشت گرد تنظیمیں ان انڈسٹریز پر حملہ کرنے میں بڑی مہارت رکھتی ہیں جو نسبتاً کمزور ہوں۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران امریکا سے تعلق رکھنے والے ایک ماہر معاشیات، ویزلی لیون ٹف نے جرمنی میں بمباری کے اہداف کو جاننے کے لیے ایک ماڈل جس میں ان پٹ اور آؤٹ پٹ کے حوالے سے بات کی گئی تھی تیار کیا۔ اسی طرح سے دہشت گرد بھی ان صنعتوں کے لیے ایسا کام کرتے ہیں یعنی ماڈل بناتے ہیں جن کے بارے میں انہیں یقین ہوتا ہے کہ ان پر حملوں سے دور رس نتائج حاصل ہوں گے۔

اس بحث کے آخر میں یہ کہوں گا کہ یہ بات ابھی تک غیر واضح ہے کہ دہشت گردی کے اثرات بڑے ہوتے ہیں یا چھوٹے۔ بہر حال میں ان کے ساتھ ہوں جو ان اثرات کو چھوٹا گردانتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں سپین کی مثال کو بھی تسلیم کرتا ہوں جو بڑے اثرات کی جانب اشارہ کر رہی ہے۔

دونوں خیالات میں ایک ممکنہ موافقت یہ بتاتی ہے کہ اگر دہشت گردی اکثر ہو اور جاری رہے جیسا کہ باسک (سپین) میں ہے تو اس کے اثرات بڑے ہوں گے جبکہ نائن الیون والی مثال میں ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے خوفناک نتائج سامنے آئے تھے اور بے یقینی بہت بڑھ گئی تھی مگر اس سے پورے امریکا میں دہشت گردی کی سطح میں کوئی اضافہ نہ ہوا تھا۔ بلوم نے حساب میں دکھایا ہے کہ نائن الیون کے حملوں سے جی ڈی پی میں 1.5 فیصد کمی آئی تھی۔ مگر بعد میں یہ کمی ختم ہوگئی۔ امریکا اور برطانیہ جیسے ممالک میں معاشیات میں کافی تنوع موجود ہے۔ یہاں پر ان نازک سیکٹروں پر انحصار نہیں کیا جاتا جن کے ختم ہونے سے معیشت ڈوب جائے۔ ایسا کئی ممالک میں ہوسکتا ہے۔ حال ہی میں کیے گئے بہت سے ایسے حملے جو ترقی یافتہ ممالک پر ہوئے تھے کسی بھی قسم کی مزید دہشت گردی کا (خوش قسمتی سے) باعث نہیں بنے تھے، غالباً بہت سارے حملے ایسے تھے جن کا ٹارگٹ ممالک کی معیشت پر بہت کم اثر پڑا تھا۔

دہشت گردی کا نفسیاتی اثر

میں نے اپنے لیکچر میں دہشت گردی کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا، دہشت گردوں کا مقصد بہت سے لوگوں کو متاثر کرنا ہوتا ہے اس کے لیے وہ بہت سے لوگوں یا مختلف لوگوں کے دلوں میں خوف پیدا کرتے ہیں، خوف ایک نفسیاتی حالت ہے۔ دہشت گردی کے نفسیاتی اثرات پر استدلال کے لیے ہم علم شماریات کے Objective Behaviour کی طرف دیکھ سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر اس بات کی شہادت موجود ہے کہ نیو یارک میں نائن الیون کے بعد لوگ 25 فیصد زیادہ شراب پینے لگے تھے۔ ڈاکٹروں کے پاس جانے والوں کی تعداد میں بھی اسی شرح سے اضافہ ہوا تھا۔ پرنسٹن کالج میں میرے ساتھی، جوشوا گولڈسٹین اور اسرائیل کی ہیبر یو یونیورسٹی کے گائے سٹیک لو نے اسرائیل میں دہشت گردی کے حملوں کے بعد ہونے والے خطرناک کار دحاثوں کے بارے میں ایک سٹڈی کی تھی۔ انہوں نے یہ دریافت کیا کہ جب بھی اسرائیل میں ایسے حملے ہوتے ہیں یہ کار حادثے بڑھ جاتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس دوران معمولی حادثات بہت کم دیکھنے کو ملے۔ اس کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ ڈرائیور حالیہ دہشت گردی کے حملوں سے بہت زیادہ پریشانی میں مبتلا تھے۔ یہ اثرات چند دنوں کے بعد ختم ہوگئے تھے۔ اگرچہ یہ اعداد وشمار ایک اہم شہادت یا ثبوت کی جانب اشارہ کررہے ہیں، یہ معلومات افزا بات ہوگی۔ اگر ہم اس سوال کا جسمانی و دماغی دونوں اعتبار سے درستگی کے حوالے سے ڈیٹا لے کر جائزہ لیں۔

نفسیات میں بہت سارا ایسا مواد موجود ہے جو یہ دکھاتا ہے کہ لوگوں کی زندگی میں شدید نوعیت کی تبدیلیاں ان کے اپنے بارے میں سمجھ کو کہ ہم درست ہیں، ٹھیک ہیں کو عارضی طور پر متاثر کرتی ہیں۔ اس کے لیے میں روکسین کوہن سلور کے کام کا حوالہ دوں گا۔ اس نے 2002ء میں ایک سٹڈی کی جس کے مطابق اپنے گھر جل جانے کے ایک یا دو مہینے بعد لوگوں میں منفی جذبات وخیالات پائے گئے تھے، اس کے بعد جلد ہی لوگ اپنے آپ کو ٹھیک کہنے اور ایک نارمل زندگی گزارنے لگے۔

یہ بڑا دلچسپ ہوگا اگر ہم اسی قسم کا واقعہ دہشت گردی کے ردعمل کے طور پر دیکھیں۔ کچھ ایسی باتیں یا واقعات ہوتے ہیں جن کے لوگ عادی نہیں ہو پاتے مثال کے طور پر کسی بھی قسم کی دائمی تکلیف، اگر لوگوں کو ایسی تکلیف ہو جو دائمی ہو تو ان کی زندگی کے بارے میں رائے منفی ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح سے اگر کسی فرم میں کوئی شخص نقصان میں یا دبا کر رکھا جاتا ہے تو اس بات کے امکانات ہیں کہ وہ بھی زندگی کے بارے میں منفی سوچ رکھے گا۔ تاہم اس بارے میں مواد یہ دکھا رہا ہے کہ بحیثیت مجموعی لاٹری جیتنے والے اور کسی تکلیف کا شکار رہنے والے، ان دونوں کی اپنی زندگی کے بارے میں رائے میں تبدیلی عارضی ہوگی۔

سلور نے چند اور لوگوں کے ساتھ مل کر ایک سٹڈی کی جو جرنل آف دی میڈیکل ایسوسی ایشن نے نائن الیون کی پہلی برسی کے موقع پر شائع کی، اس میں اس حملے سے پیدا ہونے والی موافقت پر تحقیق کی گئی تھی۔ ان دہشت گردی کے حملوں کے اثرات کی پیمائش کے لیے سلور اور اس کے ساتھیوں نے نالج نیٹ ورک کی ویب ٹی وی سروس کو استعمال کیا۔ نالج نیٹ ورکس نامی یہ ادارہ پالو آلٹو کیلی امریکی فورنیا سے تعلق رکھتا ہے، اس نے 60 ہزار امریکن گھروں میں ویب ٹی وی قائم کر رکھا ہے۔ ان کا یہ ویب ٹی وی ای۔ میل، ویب براؤزنگ اور ٹیلی ویژن دیکھنے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے، مگر اس کے لیے استعمال کرنے والے کو ایک سوالنامہ ہفتے کے بعد مکمل کر کے دینا ہوتا ہے۔

سلور نے اس سلسلے میں نیویارک شہر کے مکینوں کو چھوڑ کر باقی امریکی آبادی کا سروے کیا، مقصد یہ دیکھنا تھا کہ نائن الیون کے بعد کیسے اس کا ردعمل شہر کے باہر پھیلا تھا۔ اس سوال نامے میں ایسی تکنیک سے کام لیا گیا ہے جس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ لوگ اب کیا محسوس کر رہے تھے (حادثے کے بعد)۔ کیا انہیں بُرے خواب آ رہے تھے، کیا وہ نیند کی کمی کا شکار تھے، ان کے لیے کسی چیز پر توجہ مرکوز رکھنا ناممکن تھا وغیرہ۔ سلور اور اس کی ٹیم نے دیکھا کہ امریکا کے 17 فیصد لوگ ان نفسیاتی مسائل کا شکار ہو چکے تھے۔ یہ سروے نائن الیون کے دو ماہ بعد کیا گیا تھا۔ جب اس ٹیم نے یہی سروے چھ ماہ کے بعد کیا تو

تعداد کم ہو کر 5.8 فیصد تک رہ گئی تھی۔

فگر 3.4 میں یہ دکھایا گیا ہے کہ نائن الیون کے تین ہفتوں بعد امریکا کی 60 فیصد آبادی پریشانی کا شکار تھی اس کے علاوہ یہ لوگ کسی چیز پر توجہ دینے سے قاصر تھے۔ دو ماہ کے بعد یہ تعداد آدھی رہ گئی تھی۔ یعنی 30 فیصد اور 6 ماہ بعد صرف 10 فیصد لوگ پریشانی کا شکار پائے گئے تھے۔ کئی دوسری تحقیقات نے بھی یہی نتائج دکھائے ہیں۔

اپنی اس سٹڈی میں سلور اور اس کے ساتھیوں نے کئی اور باتوں کا بھی جائزہ لیا تھا۔ اس دوران ان پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ نیویارک شہر کے نزدیک رہنے والے زیادہ پریشانی کا شکار ہوئے تھے۔ انہوں نے آخر میں یہ نتیجہ اخذ کیا: ''ایک قومی سطح پر لگنے والی چوٹ یا زخم کے نفسیاتی اثرات صرف ان لوگوں تک ہی محدود نہیں رہتے جو اس سے براہ راست متاثر ہوتے ہیں اور ردعمل کی شدت کو صرف اس نقصان سے نہیں دیکھا جا سکتا جو اس کے نتیجے میں ہوتا ہے۔

(نائن الیون کے بعد نیویارک سے باہر کے لوگوں کی نوٹ کی گئی پریشانی یا بے چینی کی سطح)

میں بھی اس سٹڈی سے ملتے جلتے کام میں مصروف رہا ہوں۔ میں نے Experience Sampling نامی ایک تکنیک سے کام لیا ہے۔ اس تکنیک میں پرسنل ڈیجیٹل اسسٹنٹ کے ساتھ لوگ آپ کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ یہ کام یا تو باقاعدہ وقفوں سے کیا جاتا ہے یا کسی ترتیب کے بغیر۔ یہ پرسنل ڈیجیٹل اسسٹنٹ یا PDA ''بیپ'' کی آواز نکالتا ہے اور مفعول شخص سے ایسے سوالات کیے جاتے ہیں: ''کیا اس آواز سے پہلے آپ خوش تھے یا غمگین۔'' لوگ اپنے محسوسات جس شدت یا طاقت سے بیان کرتے ہیں اسے ایک سکیل کے ذریعے سے نوٹ کیا جاتا ہے جو فرض کریں 0 سے 6 تک ہو سکتی ہے۔ اس میں ہر فرد سے اسی ایک لمحے کے لیے ہی یہ سوال کیا جاتا ہے یہ نہیں پوچھا جاتا کہ وہ عام طور پر کیا محسوس کر رہا ہے۔ یہ تکنیک آج کل کسی کے مزاج جاننے کے لیے بہت عمدہ سمجھی جا رہی ہے۔

میں نے بھی ایسی ایک سٹڈی سے ڈیٹا حاصل کیا جو تمبا کو نوشی سے پرہیز کے حوالے سے وسکونسن میں کی گئی تھی۔اسے اول الذکر سٹڈی کے برعکس نائن الیون کے واقعہ سے تھیک ایک ہفتے کے بعد شروع کیا گیا تھا۔فگر 3.5 میں اس سٹڈی کے نتائج کو دکھایا گیا ہے۔ یہ سٹڈی ٹموتھی بیکر اور اس کے ساتھیوں نے کی ہے۔میں نے اس ڈیٹا کو اس طرح سے ترتیب دیا ہے کہ اس میں نائن الیون سے پہلے کا ہفتہ نائن الیون کا دن اور اس کے ٹھیک بعد والے ہفتے کو دیکھا جا سکتا ہے۔اب سوال یہ پوچھا گیا تھا کہ'' آپ کتنا غم محسوس کر رہے ہیں''؟ ڈیٹا نے یہ دکھایا کہ 11 ستمبر کے دن غمی میں بہت زیادہ اضافہ ہوا تھا۔مگر سلور کی سٹڈی کے عین مطابق یہاں بھی ڈیٹا سے ظاہر ہے کہ نائن الیون کے چار روز بعد یہ غم یا اداسی عام سطح پر آ گئی تھی۔(7)

اس سٹڈی میں غمی یا اداسی کے علاوہ افراد کے جوش و جذبے کی سطح کا بھی مطالعہ کیا گیا تھا۔ڈیٹا سے دیکھا گیا کہ نائن الیون نے جوش و جذبے کو بہت زیادہ متاثر کیا تھا اور یہ اثرات خاصی دیر تک رہے تھے (غم یا اداسی کے احساسات پر اثرات کے مقابلے میں)

(غم یا اداسی کی لوگوں میں سطح 11 ستمبر سے پہلے اور بعد میں)

اس کے علاوہ لوگوں کے مزاج پر ایک اور ایسی سٹڈی کی گئی۔اس میں محققین نے بہت سے ممالک کے لوگوں سے یہ پوچھا تھا کہ وہ اپنی زندگی سے کتنا مطمئن ہیں۔ برونو فرائز اور اس کے ساتھیوں نے ''یورو بیرومیٹر'' سے اس سلسلے میں حاصل کردہ ڈیٹا کا مطالعہ کیا۔اس سروے میں یہ سوال کئی ممالک کے

لوگوں سے پوچھا گیا تھا: ''کیا آپ مجموعی طور پر اطمینان محسوس کرتے ہیں یا اپنی زندگی سے بالکل مطمئن ہیں، کیا آپ خاصے مطمئن ہیں یا آپ زیادہ مطمئن نہیں اور یا پھر آپ بالکل ہی اپنی زندگی سے غیر مطمئن ہیں۔ جن لوگوں نے کہا کہ وہ بالکل مطمئن ہیں انہیں 4 سکور دیا گیا، خاصے مطمئن رہنے والوں کا سکور تھا 3 جنہوں نے کہا کہ وہ زیادہ خوش نہیں ان کا سکور تھا 2 اور بالکل غیر مطمئن لوگوں کا سکور 1 فرض کیا گیا۔

اس سٹڈی سے حاصل کردہ ڈیٹا سے یہ پتہ چلا ہے کہ لوگوں کی خوشی یا اطمینان پر دہشت گردی کا اثر اس اثر سے دس گنا زیادہ ہے جو کسی پر بے روزگار ہونے سے پڑتا ہے۔ لہٰذا روزگار یہاں پر ایک نہایت اہم عنصر ہے۔ فرائے اور اس کے ساتھیوں کی سٹڈی سے حاصل ہونے والا ڈیٹا ایسی بات کی جانب اشارہ کر رہا ہے کہ اگر بے روزگاری کی شرح 10 فیصد تک بڑھ جائے تو یہ زندگی کے اطمینان اور سکون کو اسی شدت سے کم کرتی ہے جو دہشت گردی کے حوالے سے نوٹ کی گئی ہے۔

دوسرا اس سٹڈی سے یہ جاننے کی کوشش کی گئی تھی کہ زندگی کی خوشیاں اور اطمینان کا انحصار پیسوں یا دولت پر کس حد تک ہے۔ محققین نے اندازہ لگانے کی کوشش کی ہے کہ آمدن یا دولت میں کمی بیشی سے لوگ کیسے متاثر ہوتے ہیں۔ نتائج سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ لندن میں رہنے والے لوگ اپنی دولت کے 32 فیصد سے دست بردار ہونے کو تیار ہیں، ان حصوں میں رہنے کے لیے جہاں دہشت گردی کے امکانات کم سے کم ہیں۔ تاہم میں ان نتائج سے پوری طرح سے اتفاق نہیں کرتا اور ان نتائج کو مبالغہ آمیزی سمجھتا ہوں، اس کے علاوہ ایسا مواد بہت بڑی تعداد میں موجود ہے جس کے مطابق لوگ اپنی زندگی کی خوشیوں پر دولت کے اثر کے بارے میں زیادہ تر غلط اندازے لگاتے ہیں۔

ڈیمیزی رومانو وا اور اس کے دو ساتھیوں نے 2007ء میں اسرائیل کے بارے میں ایک سٹڈی کی تھی۔ ان لوگوں نے زندگی میں اطمینان کے حوالے سے اسرائیل کے 22000 شہریوں کے ڈیٹا کا مطالعہ کیا جو انہیں اسرائیل سوشل سروے سے ملا تھا۔ 04-2002ء تک کے اس ڈیٹا میں دیکھا گیا کہ دہشت گردی کے حملوں نے اسرائیل کے یہودیوں کی زندگی میں اطمینان کو زیادہ متاثر نہیں کیا تھا جبکہ عربوں پر اس اثر کو زیادہ دیکھا گیا ہے تاہم یہ اثرات بھی عارضی تھے یہی ہماری فگر 3.5 ظاہر کر رہی ہے کہ دہشت گردی کے اثرات زیادہ تر عارضی ہوتے ہیں۔ اسرائیل میں دوسرے انتفاضہ کے دوران لوگوں کے عام اطمینان وسکون میں کوئی تبدیلی نوٹ نہیں کی گئی۔ یہاں تک کہ یہ ان علاقوں میں بھی کم

رہی جہاں پر یہ تحریک زوروں پر تھی۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اسرائیل کے لوگوں دہشت گردی کے عادی ہو چکے ہیں۔ مگر جب عام یا اوور آل اطمینان اور سکون کی بات کی جائے تو اسرائیل سے حاصل کردہ نتائج کم و بیش وہی ہیں جو یورپی یونین کے کسی ایک ملک کے لیے اوسطاً معلوم کیے گئے ہیں۔

منطقی خوف

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے گیری بیکر اور یونا روبنسٹین نے دہشت گردی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ردعمل کے بارے میں سوال اٹھایا تھا۔ ان کا موقف یہ ہے کہ لوگ دہشت گردی سے اپنے خوف کی بنا پر ردعمل کا اظہار کرتے ہیں اور اس کا تعلق اس خطرے سے نہیں ہوتا جس کا اپنی حقیقت میں سامنا ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ڈینیکل فانیمین اور آموس ٹورسکی نے 1979ء میں ایک امکانی نظریہ (تھیوری) پیش کیا تھا۔ اس کے مطابق لوگ کسی واقعے یا حادثے کے ہونے کے بارے میں مبالغہ آمیزی سے کام لیتے ہیں اور اس کے مقابلے میں ان کا ردعمل زیادہ ہوتا ہے۔ یہ دونوں عوامل افراد کے دہشت گردی کے خلاف ایک غیر منطقی ردعمل کا باعث بنتے ہیں۔

بیکر اور روبنسٹین اس خیال سے متفق نظر نہیں آتے۔ ان کے نزدیک لوگوں کا ردِعمل منطقی ہوتا ہے اور اس کا اس بات سے تعلق نہیں ہوتا کہ وہ دہشت گردی کا براہ راست نشانہ رہے ہیں یا نہیں۔

بیکر اور اس کے ساتھی کے بنائے ہوئے عمدہ ماڈل میں قطعیت کو یا انسانی رویے کی معنویت کو بہت جگہ دی گئی ہے۔ تاہم مجھے ان کا خیال کچھ کمزور دکھائی دیتا ہے جبکہ فانیمین اور اس کے ساتھی کے نظریہ کو رد کرنے کے باوجود بھی یہ ان کی تائید کر رہا ہے۔ بیکر اور روبنسٹین نے اپنے خیال کی تائید میں جو ثبوت دیا وہ یہ تھا: اسرائیل میں بسوں پر دہشت گردوں کے حملے کے بعد لوگ کم بسوں میں سفر کرنے لگے تھے، مگر یہ وہ لوگ تھے جو اکثر و بیشتر کم ہی بسوں میں سفر کرتے تھے۔ وہ لوگ جو باقاعدگی سے بسوں میں آتے جاتے ہیں کا معمول متاثر نہیں ہوا تھا۔ یہی نتائج ان دونوں کو حاصل ہوئے تھے جب انہوں نے اسرائیل کے قہوہ خانوں یا کیفے ٹیریا کے بارے میں تحقیق کی۔ ان پر حملوں کے بعد وہ لوگ جو باقاعدگی سے کیفے جاتے تھے، ان کا معمول تبدیل نہیں ہوا تھا۔

بیکر اور روبنسٹین کا کہنا ہے کہ خوف پر قابو پانے کی ایک مقررہ مدت ہے۔ خوف ہونا ایک فطری عمل ہے مگر دہشت گردی کے اس خوف پر قابو پایا جا سکتا ہے اگر بس میں سفر کرنے والا اپنی توجہ کسی اور جانب

لگا دے۔ شاید یہ وہ وقت مقررہ مدت ہے۔ تاہم یہاں پر کئی اور دلائل دیے جا سکتے ہیں مثلاً یہ کہ بسوں میں سفر کرنے والے اپنے کام پر جانے کے لیے انہیں استعمال کرنے پر مجبور ہیں، ان کے پاس اور کوئی انتخاب نہیں۔ شاید یہ لوگ ڈرے ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود وہ بسوں میں بیٹھنا نہیں چھوڑتے۔

بیکر اور روبنسٹین کی یہ اخذ کردہ باتیں میرے لیے زیادہ متاثر کن نہیں۔ مثلاً یہ کوئی بھی آسانی سے کہہ سکتا ہے کہ بسوں میں سفر کرنے والے اور کیفے میں جانے والے ان دہشت گردوں کے حملوں کے بعد یہ جان جاتے ہیں یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اصل خطرہ کیا ہے اور اسے مول لیا جا سکتا ہے۔ ان نتائج کو ہم فانیمن اور ٹواسکی کے فریم ورک میں رہ کر بھی بیان کر سکتے ہیں۔ وہ لوگ جو بسوں میں سفر جاری رکھتے ہیں اس بات کو سمجھ لیتے ہیں کہ ہماری بس دہشت گردوں کے نشانہ نہیں بن سکتی، اس بات کا قوی انسان ہے کہ ہم پر حملہ نہیں ہوگا لہٰذا سفر کرنا بالکل خطرناک نہیں جبکہ وہ لوگ جو بسوں میں سفر سے خوفزدہ رہتے ہیں ان کے جذبات غیر منطقی ہیں مثلاً ان کا یہ یقین کر لیا کہ ہم اگلا نشانہ ہیں بلاشبہ ایک حد سے بڑھا ہوا ردعمل کہا جا سکتا ہے جس کا فانیمن اور ٹواسکی نے مجھے اپنی امکانی تھیوری میں ذکر کیا ہے۔

دلائل سے ہٹ کر اگر دیکھا جائے تو میرے نزدیک بیکر اور روبنسٹین کی تحقیق سے یہ حوصلہ افزا بات سامنے آ رہی ہے کہ خوف چاہے منطقی ہو یا غیر منطقی اس پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ امکانی تھیوری یا نظریے کے تحت خوف پر قابو پایا جا سکتا ہے اگر مسافر یہ جان بس کہ حقیقت میں ان پر حملے کا امکان اس سوچ کے لحاظ سے بہت کم ہے جس کے تحت وہ فرض کر رہے تھے کہ ہم اگلا نشانہ ہیں۔

جبکہ بیکر اور روبنسٹین کا ماڈل یہ بتاتا ہے کہ خوف کو اس وقت ختم کیا جا سکتا ہے اگر مسافر کوشش کر کے اپنی توجہ کسی اور جانب لگا لیں۔ میرے اپنے نزدیک دہشت گردی کا خوف اکثر اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ لوگ اس کے حقیقی خطرے سے آگاہی نہیں رکھتے جو دہشت گردی کی صورت میں موجود ہوتا ہے۔ اس موضوع پر دوبارہ میں بات کروں گا۔

دہشت گردی کے سیاسی اثرات

دہشت گردی کا مقصد مخصوص سیاسی اغراض و مقاصد پوا کرنا ہوتا ہے مثلاً قابض فوج کو ہٹنے پر مجبور کر دیا جائے، الیکشن کے نتائج پر اثر انداز ہوا جائے، انہیں ملتوی کروا دیا جائے یا کسی پارٹی کو حکومت چھوڑنے پر مجبور کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ دہشت گرد زیادہ تر جمہوری ملکوں کو نشانہ بناتے ہیں (یہ بات میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں)

کیا دہشت گرد ان میں کامیاب رہتے ہیں؟ یہاں پر اس کی واضح مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ مثال کے طور پر 11 مارچ 2004ء کو میڈرڈ (سپین) میں بم دھماکوں کے بعد صدر جوز ازنار نے صورتحال کو ایک کمزور طریقے سے ہینڈل کیا تھا اور اسی سے ان کی پارٹی تین دن بعد الیکشن میں شکست سے دوچار ہوگئی تھی۔ مگر 7 جولائی 2005ء کو لندن میں ہونے والے بم دھماکے برطانیہ کی سیاست میں کوئی خاص تبدیلی نہیں لا سکے تھے۔ مگر روایتی کہانی یا بات کوئی ثبوت نہیں۔ یہ بات کبھی بھی واضح طور پر نہیں کہی جاسکتی کہ اگر دہشت گرد حملہ نہ کرتے تو کیا صورتحال ہوسکتی تھی لہٰذا اگر حکومت میں تبدیلی آئی تھی جیسا کہ سپین میں ہوا تو ہم اس کا ذمہ دار صرف اور صرف دہشت گردی کو قرار نہیں دے سکتے۔

خوش قسمتی سے سیاسی تبدیلیاں جو دہشت گردی کی وجہ سے اب تک آئی ہیں ان کے بارے میں کافی تحقیقی مواد موجود ہے۔ اگرچہ ہم اس سے حاصل شدہ نتائج کو حتمی نہیں کہہ سکتے مگر اس کے باوجود دہشت گردی کے حملے کئی مواقع پر واضح سیاسی تبدیلیوں کا باعث پائے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے متاثر کن کام دو ماہرین معاشیات کلائڈ بیری بی اور کلور نے کام کیا ہے۔ انہوں نے یہ دریافت کیا تھا کہ اسرائیل میں جب بھی انتخابات سے پہلے دہشت گردی کے واقعات ہوئے ہیں ان کا اثر ان کے نتائج پر لازماً پڑا ہے، مثلاً تین ماہ پہلے (انتخابات کے) ہونے والے دہشت گردی کے واقعات سے دائیں بازو کی سیاسی پارٹیوں کے ووٹوں میں 1.35 فیصد تک اضافہ نوٹ کیا گیا ہے، بلا شبہ یہ واضح مارجن ہے اگر ہم کئی اسرائیلی انتخابات کا جائزہ لیں۔ اسرائیل میں ووٹروں کا ردعمل زیادہ دیکھا گیا ہے اگر یہ حملے کسی الیکشن ہونے سے چند ہفتے یا دن پہلے ہوں۔ ووٹنگ میں اس تبدیلی کا انحصار اس بات پر ہر گز نہیں ہوتا کہ حکومت کس پارٹی کی ہے۔ اس اہم دریافت کے بارے میں ایک وضاحت یہ کی جاسکتی ہے کہ ان دہشت گردوں کا اہم مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ امن منصوبوں کو نقصان پہنچائیں، دائیں بازو کی سیاسی پارٹیاں اس سے فائدہ اُٹھاتی ہیں۔ ان دونوں ماہرین نے اس سے پہلے کی ایک سٹڈی سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ حملے اسرائیل میں اس وقت زیادہ ہوتے ہیں جب وہاں بائیں بازو کی سیاسی جماعت برسر اقتدار ہو۔

امریکا کے بارے میں موجود ڈیٹا یہ ظاہر کرتا ہے کہ امریکن ووٹر یا لوگوں کی رائے جو اکثر پوچھی جاتی ہے پر دہشت گردی کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ ڈیوس اور سلور نامی دو ماہرین نے 2004ء میں یہ ثابت کیا کہ وہ لوگ جو دہشت گردی کو بہت بڑا خطرہ سمجھتے تھے نائن الیون کے بعد صدر بش کے بہت بڑے حمایتی

تھے اور ان کے بحیثیت صدر کیے جانے والے اقدامات سے پوری طرح سے متفق تھے۔ لیکن 2004ء کے وسط تک ان لوگوں کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی اور ان کی اکثریت صدر کے اقدامات سے ناخوش تھی۔ یوجین گل مارٹن نامی خاتون نے بھی 2004ء میں دہشت گردی کے حملوں کی ہلاکت خیزی وتواتر اور ان کے صدرِ امریکا کے بارے میں لوگوں کی رائے میں تعلق پر ایک سٹڈی کی تھی۔ اس نے 1949ء سے 2002ء تک کا ڈیٹا اپنی تحقیق کے لیے استعمال کیا۔ اس نے یہ دیکھا کہ جب بھی امریکا کے خلاف دہشت گردی کے حملے ہوئے تھے ریپبلیکن پارٹی کی حمایت میں معمولی اضافہ دیکھنے میں آیا تھا۔ تاہم امریکا میں دہشت گردی کے اثرات ونتائج پر تحقیق ابھی ابتدائی مراحل میں ہے اور اس پر بہت کچھ ہونا باقی ہے۔

دہشت گردی کے سیاسی حالات ومعاملات پر اثرات کا تجزیہ اکثر خاصا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ اکثر دہشت گرد انتخابات کے نتائج کے لیے میدان میں نہیں اترتے۔ مثال کے طور پر کوئی دہشت گرد تنظیم ہوسکتا ہے یہ چاہتی ہو کہ وہ ٹارگٹ ملک کو ایسے مسئلے میں ڈال دے جو وہاں چلنے والا امن منصوبہ ختم کر دینے کا باعث ہو نہ کہ وہ ایسا چاہے کہ حکمران پارٹی کا اقتدار ختم ہو جائے۔ اس کے باوجود ہمارے پاس ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ دہشت گرد انتخابی نتائج پر اثر انداز ہو سکتے ہیں لہٰذا ہمیں اس نکتے پر مزید کام کرنے کی اور اسے سنجیدگی سے لینے کی ضرورت ہے۔

میڈیا کا کردار

میڈیا دہشت گردی کے خوف کو ٹارگٹ ایریا سے دور دور پھیلانے میں ایک اہم رول ادا کرتا ہے۔ دہشت گرد آبادی کے ایک چھوٹے سے حصے کو نشانہ بناتے ہیں، اب اس کے نفسیاتی، معاشی اور سیاسی اثرات کو دور تک پہنچانے کے لیے میڈیا آگے آتا ہے۔ امریکنوں نے نائن الیون کے بعد بہت زیادہ ٹی وی دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ امریکا کی تقریباً آدھی آبادی نے 8 گھنٹے تک ٹی وی دیکھا۔ 83 فیصد لوگوں نے 4 گھنٹے ٹی وی کے سامنے گزارے۔ چونکہ دہشت گردی کے حملے کے بعد لوگ زیادہ تعداد میں ٹی وی کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں لہٰذا یہ نکتہ بہت اہم ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ ابتدائی رپورٹنگ میں خامیاں ہوں گی۔ میرے پاس اس بارے میں نظریات ہیں کہ میڈیا والے ایسا کیوں کرتے ہیں اور کچھ مثالیں بھی۔

میڈیا والے ہمیشہ سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ سب سے پہلے سٹوری کو منظر عام پر لائیں خاس کر ٹیلی

ویژن والے۔ ٹی وی چینل یہ چاہتا ہے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ اس کی جانب متوجہ ہوں اور اس مقصد کے لیے رفتار پر درستگی کی نسبت زیادہ انحصار کیا جاتا ہے یعنی جلد سے بات بتا دی جائے۔ دوسری بات یہ کہ ٹی وی چینل والے ماہرین یا گمنام ذرائع کی ذمہ داری پر زیادہ توجہ نہیں دیتے۔ ان کے ماہرین بہت غلط بات کہہ سکتے ہیں مگر کم ہی اس جانب توجہ دی جاتی ہے۔ تیسرا یہ کہ یہاں پر حکومت کی جانب سے راز داری کا معاملہ بھی بہت اہم ہے۔ دہشت گردوں کو ڈھونڈ نکالنے کے لیے حکومت کبھی بھی ان کے بارے میں موجود معلومات میڈیا کو نہیں دیتی۔ اور کئی بار حکومت میڈیا کو غلط معلومات فراہم کرتی ہے تاکہ زیادہ ہیجان نہ پیدا ہو۔ چوتھی اہم بات یہ ہے کہ دہشت گرد بھی یہ چاہتے ہیں کہ ان کے حملے کے بارے میں ایک غلط کوریج ہو اس سے انہیں فائدہ ملتا ہے۔ یہ تمام عوامل اور میڈیا رپورٹنگ میں خرابیاں اکثر ایسے حملوں کے بعد دیکھنے میں آتی ہیں۔

اب چونکہ میڈیا دہشت گردوں کے حملوں کے بارے میں خبریں دیتے ہوئے کئی غلطیوں کا مرتکب ہوسکتا ہے، میں عوام سے یہ کہنا چاہوں گا کہ وہ ان حملوں کے بارے میں ابتدائی خبروں کو زیادہ سنجیدگی سے نہ لیں۔ بے شک لوگوں کو ان خبروں میں دلچسپی لینی چاہیے اور یہ بات قدرتی بھی ہے لیکن انہیں ہر بات کو سچ نہیں ماننا چاہیے۔ یہاں پر میرے نزدیک حکومت کی بھی ذمہ داری ہے کہ عوام کو اور میڈیا کو بہتر طریقے سے ایجوکیٹ کرے کہ ان معاملات میں ان کا کیا کردار ہونا چاہیے۔ اور نقصانات وغیرہ کو اس وقت تک نہ بتایا جائے جب تک کہ ان کے بارے میں مکمل تصدیق نہ ہو جائے۔

(11 ستمبر 2001ء کو ٹی وی دیکھنے والے امریکیوں کی تعداد)

غلط رپورٹنگ کی مثالیں

میڈیا نے بڑے دہشت گردی کے حملوں کے بارے میں ہمیشہ رپورٹنگ میں غلطیاں کی ہیں۔ یہاں پر میں ان غلطیوں کا خلاصہ دے رہا ہوں۔

AP یعنی ایسوسی ایٹڈ پریس نے 7 جولائی 2005ء کے واقعے پر اپنی سٹوری میں کیا لکھا ''پولیس کا کہنا ہے کہ تین سب وے سٹیشنوں پر ہونے والے حملوں کے بارے میں انہیں کوئی وارننگ نہیں تھی جو 8.51 صبح 26 منٹوں کے وقفے سے ہوئے تھے۔ ابتدائی طور پر حکام نے کہا تھا کہ ایسا بجلی کی رو میں ایک دم سے اضافہ ہونے کے باعث ہوا تھا مگر بعد میں جب برٹش میوزیم کے نزدیک 9:47 پر بس میں بم دھماکہ ہوا تو پتہ چلا تھا کہ یہ دہشت گردی تھی'' اب ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ بم دھماکے 50 سیکنڈ کے وقفوں سے ہوئے تھے، یہ سوال ابھی تک موجود ہے کہ آیا حکام اس بات سے آگاہ تھے کہ یہ دہشت گردی کے نتیجے میں ہونے والے دھماکے تھے اور برقی رو میں اضافے والی بات جان بوجھ کر کہی گئی تھی تاکہ میڈیا والے بے چینی نہ پھیلا سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ پہلے یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ حکام کو ان حملہ آوروں کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ یہ نامعلوم لوگ ہیں مگر بعد میں انکشاف ہوا تھا کہ اس گروپ کے کم از کم دو ممبر ایسے تھے جن کی پہلے سے نگرانی کی جا رہی تھی۔

یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے کہ رپورٹران دہشت گرد حملوں کے بارے میں غلط بیانی سے کام لیں۔ وہ ٹارگٹ اور نشانہ بنانے والوں کے منبع کے بارے میں بھی غلط رپورٹ دے سکتے ہیں۔

میڈرڈ (سپین) میں 11 مارچ 2004ء کو ہونے والے بم دھماکوں کے بارے میں دنیا کے بہت سے اخباروں نے لکھا تھا ''سپین میں ETA گروپ کا سب سے خطرناک حملہ'' اب ہم جانتے ہیں کہ یہ حملہ ETA کا نہیں تھا۔

11 ستمبر کو سی این این نے ابتدائی رپورٹنگ میں کہا تھا کہ کیپٹل ہل (واشنگٹن) کے نزدیک بم دھماکا ہوا ہے، اے بی سی نیوز نے خبر دی تھی کہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ بلڈنگ کے باہر کار میں دھماکہ ہوا ہے۔ حقیقت میں یہ دونوں واقعات نہیں ہوئے تھے۔ جب ٹموتھی میک وے نے اوکلاہاما سٹی میں فیڈرل بلڈنگ کو بم سے اڑایا تو ''نیویارک ڈیلی نیوز'' نامی اخبار نے لکھا تھا کہ ایف بی آئی والے ان تین باشندوں کی تلاش میں ہیں جو بظاہر مشرقِ وسطیٰ سے تعلق رکھنے والے دکھائی دیتے ہیں۔ ان لوگوں کو دھماکے کی جگہ سے بھاگتے دیکھا گیا تھا، ان کے بارے میں خیال ہے کہ وہ ''اسلامک جہاد'' کے رکن ہو سکتے ہیں۔ بعد میں ساری بات سامنے آ گئی تھی لیکن ابتدا میں بہت غلط معلومات پر مبنی خبریں پڑھنے کو ملی تھیں۔

بہت سی دہشت گرد تنظیمیں میڈیا کو سمجھنے والی ہوتی ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اخبار کب چھپ کر آتے ہیں اور اسی حساب سے اپنی کارروائی کرتے ہیں تاکہ انہیں موثر کوریج ملے۔ میں نے NCCWITS

یعنی (National Counter Terrorism Centre's World Wideincident Tracking System) جو کہ حکومت میں عوامی ڈیٹا بیس ہے، یہاں پر بین الاقوامی دہشت گردی کے خلاف واقعات کا ڈیٹا موجود ہے، سے استفادہ کیا تھا تا کہ دہشت گردی کے حملوں کا یومیہ حساب لگا سکوں۔

فگر 3.8 میں میں نے ان حملوں کو دکھایا ہے جو 2004ء اور 2005ء میں کیے گئے تھے، ان میں آپ کو دن اور رات کے گھنٹوں کے بارے میں معلوم ہوگا کہ یہ حملے کس وقت کیے گئے تھے۔ جبکہ فگر 3.9 میں ایسے حملوں کو دکھایا گیا ہے جو اس دوران مشرق وسطیٰ میں ہوئے تھے۔ یہ چارٹ دکھا رہا ہے کہ مشرق وسطیٰ میں ہونے والے حملے زیادہ تر صبح کے وقت کیے گئے تھے مگر اس کے باوجود میں نہیں سمجھتا کہ دہشت گرد صبح کا انتخاب اس وجہ سے کرتے ہیں کہ دنیا بھر میں ان کی کارکردگی رات ہوتے ہوتے پہنچ جائے۔ یہ واضح طور پر کہا جا سکتا ہے کہ دہشت گرد اپنا وقت سیکورٹی انتظامات کے حوالے سے طے کرتے ہیں۔

اگر دہشت گرد میڈیا کو سمجھنے والے نہ بھی ہوں تو پریس والے ایسی سٹوریوں کو سنسنی خیز ضرور بنا دیتے ہیں تا کہ ان کے ناظرین یا قارئین مصروف رہے (انہیں دیکھنے یا پڑھنے میں)۔ یہاں ایک اور مثال کا ذکر کروں گا رسل سینٹ آفس کی بلڈنگ میں 8 فروری 2006ء کو اچانک اس وقت خالی کروالیا گیا تھا جب بلڈنگ میں موجود سینیٹر نے خطرناک کیمیکل کی موجودگی کو محسوس کیا تھا۔ سی این این نے ابتداء میں اس خبر کو بڑی شدومد سے پیش کیا تھا۔ کیمیکل کی موجودگی کے بارے میں کیا جانے والا ابتدائی ٹیسٹ بے شک مثبت تھا لیکن دوسرے ٹیسٹنے منفی نتائج دکھائے، جب تیسرا ٹیسٹ کیا جا رہا تھا تو سی این این نے کیمیکلز کے ایک ماہر کو پروگرام میں بلا لیا تھا۔ اس نے یہ بتایا کہ وہ لوگ جو بلڈنگ سے باہر آگئے تھے، فون کال کے وقت جس میں بتایا گیا تھا کہ عمارت میں خطرناک کیمیکل موجود ہے بالکل بھی کسی قسم کی ایسی بات محسوس نہیں کر رہے تھے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اس بلڈنگ کے اکثر سنسرز غلط ہو جاتے ہیں اور متعلقہ سنسر ان میں سے ایک تھا ایک رپورٹر کیلی آرنیا نے رائے دے دی کہ یہ واقعہ ایک غلطی کی بنیاد پر رو نما ہوا تھا۔ پروگرام کی میزبان نے اس ڈر سے کہ، کہیں لوگ سی این این کو غیر معتبر نہ سمجھنے لگیں مندرجہ ذیل تبصرہ کیا۔

> ''ہم نے ابھی ابھی کیلی آرنیا کو سنا ہے جو یہ کہہ رہی ہے کہ اس وقت تک سیکورٹی والے، 8 سینیٹر (حقیقت میں وہاں 4 تھے) اور 200 سٹاف کے لوگ اطمینان کی سانس نہیں لیں گے جب تک یہ ٹیسٹ نہ ہو جائیں۔ ہم بھی سانس روکے نتائج کے منتظر ہیں۔ یہ سارے لوگ

پارکنگ لاٹ میں موجود ہیں شاید ان کو جبری طور پر یہاں رکھا گیا ہے کہ ان پر اثرات باہر نہ جاسکیں۔ مگر آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ یہ سب کچھ غلط الارم کا نتیجہ تھا جو بلڈنگ کے بالا خانے میں اچانک بج اُٹھا تھا۔‘‘

میں نے خود مزید آدھا گھنٹہ سی این این کو دیکھا۔ بے شک سارا واقعہ غلط الارم کی وجہ سے ہوا تھا۔ پارکنگ لاٹ میں موجود لوگ اطمینان سے پیزے کھا رہے تھے یا اپنے دوسرے کام کر رہے تھے۔

(Fig:3.8) دنیا بھر میں بڑے دہشت گردی کے حملے کا 2004-05ء کے لیے دن بھر کا چارٹ

(Fig:3.9) مشرق وسطیٰ میں ہونے والی دہشت گردی کی وارداتوں 2004-05ء کے لیے دن بھر کا چارٹ

تیاری اور نمائندگی

امریکا کے ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ اور ہیومن سروسز کے پاس ایک گائیڈ پروگرام ہے کہ کیسے میڈیا والوں کو دہشت گردی کے بارے مین جان کر ردعمل دکھانا چاہیے، اس گائیڈ پروگرام کو(Terrorism and Other Public Health Emergencies) کا ٹائیٹل دیا گیا ہے۔اس ڈیپارٹمنٹ نے کام کا آغاز نائن الیون سے پہلے کیا گیا تھا لیکن بعد میں اس کا ٹھیکا انہوں نے ایک غیر منافع بخش کمپنی امریکن انسٹی ٹیوٹ فار ریسرچ (AIR) کو دے دیا تھا۔ مجھے ان باتوں کا اس وجہ سے علم ہے کہ میں اس کے بورڈ آف ڈائریکٹر میں شامل ہوں، انہوں نے ایک بہت خوبصورت رپورٹ کو ایسے کاغذ پر چھاپا ہے جو کیمیکل حملے میں بالکل محفوظ رہ سکتا ہے۔اس رپورٹ میں مختلف حملوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اثرات کا ذکر ہے۔اے آئی آر نے ایک پاکٹ سائنز گائیڈ بک بھی تیار کی ہے جس میں ان گیسوں اور دیگر کیمیکلز اور ان کے اثرات کا ذکر ہے جو دہشت گرد استعمال کر سکتے ہیں۔اس میں ایسے نمبر دیے گئے ہیں جن پر رابطہ کر کے حملے کی صورت میں مفید معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔اسے ہم ایک مناسب تیاری کہہ سکتے ہیں جس سے میڈیا اور عوام کو دہشت گردی سے نمٹنے میں مدد مل سکتی ہے اور اووررری ایکشن کی بھی روک تھام ہو سکتی ہے۔

اس رپورٹ میں ایک چارٹ موجود ہے جسے ٹیبل 3.3 میں دیا گیا ہے۔اس چارٹ میں امریکی شہریوں کے لیے زندگی کے خطرات کا ذکر ہے۔اس میں حساب کر کے بتایا گیا ہے کہ کسی ایک سال میں لوگ کتنے طریقوں سے مر سکتے ہیں۔امریکا میں 300 میں سے ایک شخص ایک سال میں دل کی بیماری سے مرتا ہے یعنی 4 میں سے ایک۔ کینسر سے سال بھر میں 510 میں ایک نمونیہ سے 43000 میں ایک جبکہ انتھریکس سے سال میں 56 ملین افراد میں سے ایک جان بحق ہوتا ہے(انتھریکس کے بارے میں یہ اعداد و شمار 2001ء کے لیے ہیں، (یہ وہ سال ہے جب این بی سی نیوز اور کیپٹل ہل میں اس بیماری کے جراثیم خطوط میں ڈال کر بھیجے گئے تھے۔) گاڑی کے حادثے میں امریکا میں ہر سال 6700 میں صرف ایک شخص ہلاک ہوتا ہے۔میں نے سال 2005ء کے لیے امریکن شہری کے دہشت گردی کے حملے میں ہلاک ہو جانے کے امکانات کا حساب لگایا ہے۔ یہ 5 ملین میں ایک سے بھی کم آ رہا ہے۔ یہ امکان آسمانی بجلی گرنے سے ہلاک ہو جانے یا جہاز کریش سے مر جانے سے بھی کم ہے۔

میرا ذاتی خیال ہے کہ پریس کو ان اعداد و شمار کا پتہ ہونا چاہیے تا کہ دہشت گردی سے پیدا ہونے والے نقصانات اور نتائج کو بھی بہتر طریقے سے جان سکیں۔

(صرف امریکی آبادی کے لیے زندگی کے خطرات)

Table 3.3

Cause of death	*Annual risk*	*Lifetime risk*
Heart disease	1 in 300	1 in 4
Canncer (all forms)	1 in 510	1 in 7
Pneumonia	1 in 4,300	1 in 57
Motor vehicle accident	1 in 6,700	1 in 8
Suicide	1 in 9,200	1 in 120
Criminal homicide	1 in 18,000	1 in 240
on-the-job accident	1 in 48,000	1 in 620
Accidental electrocution	1 in 300,000	1 in 4,000
Lightning strike	1 in 3,000,000	1 in 39,000
Commerical aircraft acciend	1 in 3,000,000	1 in 40,000
Terrorism (2005)	**1 in 5,293,000**	**1 in 69,000**
Plague	1 in 190,00,000	1 in 240,000
Anthrax (2001)	1 in 56,000,000	1 in 730,000
Passenger train accident	1 in 70,000,000	1 in 920,000
Shark attack	1 in 280,000,000	1 in 3,700,000

Source: Ropeik and Gray (2002) as reported in United States Department of Health and Human Services (2005). Terrorism risk for United State s is author's own calculation of fatality risk.

دہشت گردی کی موجودہ صورتحال اور دوسری جنگ عظیم کا موازنہ

ان لیکچروں کو تیار کرنے کے لیے میں نے لائینل روبنز کی لکھی ہوئی کتاب "The Economic Problem in Peace and War" سے استفادہ کیا ہے۔ یہ کتاب 1947ء میں چھپی تھی اور اس میں ان لیکچروں کا ذکر ہے جو انہوں نے اس سال کیمرج یونیورسٹی میں دیے تھے، یہ ایک بہت اچھی کتاب ہے میں نے اسے پرنسٹن کی فائرسٹون لائبریری سے حاصل کیا۔ کتاب کا کارڈ جس پر یہ تحریر ہوتا ہے کہ اسے آخری بار کب ایشو کروایا گیا تھا سے مجھے پتہ چلا کہ 1965ء کے بعد اسے اب میں ایشو کروا رہا تھا۔

اسے پڑھ کر مجھے ان خطرات کے درمیان فرق جان کر بڑی حیرت ہوئی جو دنیا کو دوسری جنگِ عظیم کے دوران درپیش تھے اور جواب ہیں، روبنز نے لکھا ہے،

''اس ساری جنگ میں پالیسی کا ایک واضح اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ مکمل فتح حاصل کی جائے۔ اس مقصد کے آگے باقی تمام مقاصد کمتر اور حقیر ہیں۔ اس معیار کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں تمام خاص آپریشنز کو سمجھنا چاہیے۔ اس فتح کا نتیجہ کچھ بھی ہو، چاہے یہ ایک مثبت حصول ہے یا اس صورتحال سے بدتر ہے جب آپ نے اس کے لیے جدوجہد کا آغاز کیا تھا۔ اس کا بدل تباہی ہے، اور زندہ رہنے کی خواہش سب سے مضبوط ہے، کوئی بھی قربانی اس سے زیادہ عظیم نہیں۔''

اس وقت ہم جن خطرات سے دوچار ہیں وہ ایسے نہیں جیسا کہ بش انتظامیہ پرچار کرتی رہی ہے۔ ہمیں ختم ہو جانے کا کوئی خطرہ نہیں جیسا کہ دوسری جنگِ عظیم میں تھا۔ موجودہ صورتحال بھی وہ نہیں جو دوسری جنگِ عظیم کے زمانے میں تھی۔

اب تک جتنی بھی دہشت گردی کا ہم نے سامنا کیا ہے یہ اس وجہ سے زیادہ نظر آ رہی ہے کہ ہم نے اسے بڑا سمجھا ہے۔ دہشت گردی کا فوری اثر آبادی اور معاشیات کے مقابلے میں بہت کم ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دہشت گردی سے بے یقینی پیدا ہو جاتی ہے۔ میں یہ نہیں جانتا کہ یہ بے یقینی منطقی یا غیر منطقی ردِعمل کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ یہ بے یقینی کی کیفیت زیادہ دیر نہیں رہتی اور جلد ختم ہو جاتی ہے۔

میڈیا کو زیادہ ذمہ داری دکھانے کی ضرورت ہے۔ شاید یہ اسی وقت ہوگا جب فوائد سے زیادہ زور عقل اور معقولیت پر دیا جائے گا اور میڈیا سنسنی خیزی سے پرہیز کرے گا۔ شاید ایسا اس وقت ہو جب ایف سی سی یا فیڈرل کمیونیکیشن کمیشن میڈیا پر نگاہ رکھے اور بار بار کی غلط بیانیوں پر انہیں جرمانہ کیا جا سکے۔ میرا خیال ہے کہ حکومتوں کو بھی ان المناک واقعات کو اپنے فائدے میں استعمال نہیں کرنا چاہیے بلکہ انہیں ان دہشت گردوں کے خلاف بھرپور کارروائی کے لیے اپنے آپ کو تیار رکھنا چاہیے۔

نتیجہ

جب قطرینا نامی سمندری طوفان امریکا میں آیا تو ہم نے دیکھا کہ کیسے حکومت کی ایجنسیاں یکے بعد دیگرے ناکام ہو گئی تھیں۔ حکومتوں کو قدرتی اور انسان کی پیدا کردہ آفات کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیے۔

نائن الیون کے بعد نیویارک کے میئر روڈولف گولیانی کے شیئرز کی قیمت ایک دم سے بڑھ گئی

تھی۔ یہ ایک حیران کن اور زبردست بات ہے کیونکہ اس واقعے سے پہلے وہ سخت دور سے گزر رہا تھا۔ وہ بحیثیت ایک میئر کے غیر مقبول تھا اور اسے طلاق بھی ہو رہی تھی۔ مگر اس نے نائن الیون کے دوارن زبردست سکون اور اعتماد سے کام کیا جس سے اس کی مقبولیت میں نا قابل یقین حد تک اضافہ ہوا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ کتنے لوگ ہلاک ہوئے ہیں تو اس نے ایمان داری سے جواب دیا، ''مجھے معلوم نہیں'' مگر اس نے ساتھ یہ بھی کہا (جو بڑا مشہور ہوا تھا) ''جب ہمیں (فائنل) آخری تعداد کا پتہ چلے گا تو وہ اس سے زیادہ ہوگی جو ہم میں سے ہر ایک برداشت کر سکتا ہے۔'' یہ تبصرہ ان لوگوں کے لیے بہت تسلی بخش اور پر یقین ثابت ہوا تھا جو اس المیے سے براہ راست متاثر ہوئے تھے۔ اس کے برعکس انتھریکس خطوط والے واقعے میں کچھ حکومتی اعلیٰ عہدے داروں نے دعویٰ کیا تھا کہ صورتحال قابو میں ہے جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں تھا اور اسی بات نے ان لوگوں پر عوام کا اعتماد ختم کر دیا تھا۔

حال ہی میں مجھے پتہ چلا ہے کہ گولیانی نے اس فقرے کی ریہرسل کر رکھی تھی جب وہ ان خطرات کے بارے میں سوچتا جو نیویارک کو پیش آسکتے تھے۔ بے شک اسے اس بات کا بھرپور کریڈٹ جاتا ہے کہ اس نے اس نازک موقع پر جب ہر ایک زبردست دباؤ میں تھا اسے یاد رکھا، یہ ایک محتاط تیاری کا نتیجہ تھا۔

جس قسم کی دہشت گردی کا آج امریکا کو سامنا ہے اس کا موازنہ ہم بہتر ہے کہ دوسری جنگِ عظیم کی بجائے اٹھارویں صدی کے باربری قزاقوں سے کریں۔ (یہ قزاق ایک چھوٹی سی آبادی کے لیے خطرہ تھے جب کہ باقی ملک اور اس کی ترقی پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑ رہا تھا) لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں دہشت گردی کے خطرات کے لیے تیار رہنا ہوگا۔ ہمیں جہاں لوگ زیادہ تعداد میں ہوں وہاں پر سینسر لگانا ہوں گے (اگرچہ ان کے غلط الارم دینے کا خطرہ بھی بڑھ جائے گا)۔ اس کے علاوہ ہمیں آرمز کنٹرول معاہدوں کو لاگو کروانا ہوگا تاکہ زیادہ تباہی پھیلانے والے ہتھیار دہشت گردوں کے قبضے میں نہ آسکیں۔ یہ بہت ضروری ہے کہ پالیسی ساز اپنی توجہ آئندہ دنوں پر مرکوز رکھیں نہ کہ آخری دہشت گردی کے واقعات پر تحقیق کرتے رہ جائیں۔ ہمیں ہر قسم کے خطرے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ہماری ناکامی کی ایک اچھی مثال قطرینا طوفان سے متعلق ہے جب بش انتظامیہ کی کمزوریاں اور ناکامیاں سامنے آگئی تھیں۔ مجھے شک ہے کہ ایسا اس وجہ سے ہوا تھا کہ حکومت ان دنوں اپنا سارا زور اور توجہ دہشت گردی کی جانب مبذول کیے ہوئے تھی، ہمیں قدرتی آفات جیسے سیلاب، شہاب ثاقب کا گرنا، مقامی دہشت گردی جیسی آفات کا سامنا ہو سکتا ہے۔ حکومت اور عوام الناس کے فلاح پر کام کرنے والے افسروں کو ان کا ادراک ہونا چاہیے اور اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

لیکچروں کے آخر میں کیے جانے والے سوال اور ان کے جواب

(1) دہشت گرد کون بنتا ہے؟

سوال: آپ کا وہ ڈیٹا جس سے تعلیم اور دہشت گردی کے درمیان ایک مثبت تعلق ظاہر ہوتا ہے لگتا ہے کہ اسلامی ممالک سے لیا گیا ہے۔ جبکہ دوسرے ممالک جیسا کہ شمالی آئر لینڈ ہے میں ایسا نظر نہیں آتا، وہاں ایک کینہ پرور اقلیت دہشت گردی میں ملوث ہے۔ لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ مزید تعلیم اور دہشت گردی کے درمیان تعلق صرف مسلمان ممالک کی حد تک ہی رہے جیسا کہ پاکستان اور ترکی ہیں۔ تو ایسی تعلیم قوت جو برداشت پیدا کرے، وسیع النظری پیدا کرے اس کا حل ہے بجائے اس کے کہ کم تعلیم ہو!

جواب: آپ کا سوال ایک مضبوط نکتہ اٹھا رہا ہے جبکہ یہ خود ایک پیچیدہ سوال ہے۔ ولا طینی امریکا کے دہشت گرد گروپوں پر کی گئی تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ وہاں بھی زیادہ تعلیم دہشت گردی کو ختم نہیں کر سکی۔ میرا خیال ہے کہ لوگوں کی رائے ونظریات کو بدلنا بہت مشکل ہوتا ہے تاہم میں یہ بھی کہوں گا کہ تعلیم کے بہت فوائد بھی ہیں۔

یہ خیال کہ زیادہ تعلیم سے زیادہ اتفاق رائے پیدا ہوتا ہے محض سراب ہے۔ اس کے علاوہ میرا یہ خیال بھی ہے کہ تعلیم سے دنیا کے بہت سارے علاقوں میں لوگوں کا کیریئر نہیں بنتا۔ میں نے اپنے دوسرے لیکچر میں اس کے حل کے لیے مذہبی پہلو پر بحث کی ہے لیکن میرا یہ بھی پختہ

خیال ہے کہ کوئی بھی مذہب دہشت گردی پر اجارہ داری نہیں رکھتا۔ میں نے مشرق وسطیٰ میں موجود گروپوں پر زیادہ بات اس لیے نہیں کی کہ یہ میرے نزدیک خاص طور پر دہشت گردی کے ذمہ دار ہیں بلکہ اس لیے ان کا ذکر کیا گیا ہے کہ آج کل ان پر زیادہ نظر رکھی جا رہی ہے۔ میں نے اسرائیل کے دہشت گردوں کا بھی ذکر کیا ہے میں نے شمالی آئر لینڈ کا ذکر بطور ایک الگ کیس کے کیا ہے۔ ہم اس کو پوری طرح سے نہیں جان سکے ہیں اور نہ ہی اس سے حاصل کردہ نتائج کو ہم دوسرے ممالک پر لاگو کر سکتے ہیں۔ شمالی آئر لینڈ میں ہمیں کم تعلیم اور دہشت گردی کے درمیان ایک مثبت تعلق نظر آتا ہے مگر اسے رسمی تعلق نہیں کہہ سکتے۔ دوسری جانب ہمارے پاس ایسے شواہد موجود ہیں جن سے ظاہر ہے کہ تعلیم سے دہشت گردی کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے مگر ہمیں یہاں پر یہ کرنا ہوگا کہ لوگوں کو صرف سکول ہی نہ بھیجیں بلکہ یہ بھی دیکھیں کہ وہ کیا پڑھتے ہیں ان کی تعلیم کسی طرح کی ہیں۔

سوال: **میرا خیال ہے کہ انڈونیشیا ایک دلچسپ کیس ظاہر کر رہا ہے۔ جب ایشیائی معاشی معجزہ پوری شدومد سے چل رہا تھا، وہاں پر ایسا اسلام تھا جسے ہم ثقافتی اسلام کہہ سکتے ہیں نا کہ وہاں صورتحال ترکی جیسی تھی۔ 1994ء سے پہلے وہاں پر بنیاد پرستی کا وجود نہیں تھا۔ لیکن جب یہ معاشی معجزہ رونما ہوا تو بہت سے امیر لوگ انڈونیشیا سے چلے گئے، تعلیمی نظام ختم ہو گیا اور جگہ جگہ دینی مدرسے کھلنے لگے خاص کر یمن سے لوگ آ کر یہاں بنیاد پرستی کا درس دینے لگے تھے۔ 1995ء کے بعد اس ملک میں شدت و بنیاد پرستی کو بڑا فروغ ملا۔ اس سے آپ کے اس خیال کی تائید ہوتی ہے جس کے تحت آپ نے کہا ہے کہ جو کچھ پڑھایا جاتا ہے اس کی بہت اہمیت ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ اس ملک پر مزید تحقیق کریں یہ پہلے اور بعد کے واقعات و حالات کے بارے میں بہترین کیس ہوگا۔**

جواب: مجھے آپ کی تجویز پسند آئی ہے۔ اپنے دوسرے لیکچر میں میں نے مجموعی طور پر دنیا کا ذکر کیا ہے۔ میں نے پہلے ذکر کیا ہوگا کہ فلسطینی خاص طور پر بہت تعلیم یافتہ ہوتے ہیں مگر ان کی زیادہ تر تعلیم مذہب پر مشتمل ہے۔ لہٰذا میں یہ کہتا ہوں کہ تعلیم کی قسم کا یہاں بہت عمل دخل ہے۔

سوال: میرا خیال ہے کہ آپ جو دہشت گردی کی تعریف کر رہے ہیں وہ مغربی نقطہ نظر کے مطابق اور جانبدارانہ ہے۔ میرا تعلق مشرق وسطیٰ سے ہے جہاں لوگ یہ سوچ رکھتے ہیں کہ امریکا اصل میں دہشت گردی کروا رہا ہے، ہزاروں کو دھوکے اور اپنی ٹیکنالوجی سے ہلاک کر کے، تاکہ اپنے مقاصد حاصل کر سکے۔ یہی بات خودکش حملہ آوروں کے دماغ میں بھی ہے کہ امریکن حملے اور قبضے دہشت گردی ہیں آپ کی دہشت گردی کی تعریف میں کہانی کا یہ پہلو نہیں آیا؟

جواب: میں یہ نہیں کہوں گا کہ میری تعریف میں یا میرے تجزیے میں اس کہانی کا یہ رخ شامل نہیں ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ مُلک بھی دہشت گردی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ میرے خیال میں دوسری جنگ عظیم کے دوران امریکیوں نے ٹوکیو پر جو آگ کے بم برسائے تھے تاکہ لوگوں کو خوفزدہ کیا جا سکے، دہشت گردی کہی جا سکتی ہے۔ لیکن یہاں میرا خیال یہ بھی ہے کہ ریاستی دہشت گردی اس سے مختلف ہوتی ہے جو غیر ریاستی عناصر یا فرد واحد کی جانب سے ہوتی ہے۔ میں اسے ایک الگ موضوع سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک اس پر بحث ومباحثے کی گنجائش موجود ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ کسی حد تک کسی تنازع میں فاتح ہی دہشت گردی کی تعریف کرتا ہے۔ میں نے یہ پڑھا ہے کہ برطانیہ نے جارج واشنگٹن کو غدار کہا تھا (میرے خیال میں اگر کوئی ایسا امریکا میں کہتا تو اس پر پیٹرایٹ ایکٹ کے تحت فرد جرم لگ جاتی)۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں اگر مجھے اس موضوع پر تحقیق کا نئے سرے سے آغاز کرنا پڑے تو میں اس لفظ ''دہشت گرد'' سے پرہیز کروں گا۔ اصولی طور پر میں اسے شورش یا گڑبڑ کا مطالعہ کہہ رہا ہوں جو سیاسی مسائل کی بنا پر غیر ریاستی عناصر پھیلا رہے ہیں۔ اس کا مقصد آبادی میں خوف و دہشت پھیلانا ہے اور اپنے ٹارگٹ سے کہیں پرے یا دور تک کے لوگوں کو متاثر کرنا ہوتا ہے۔ میں نے کہیں بھی ایسا نہیں کہا کہ ملک دہشت گردی میں ملوث نہیں ہو سکتے۔ میں نے اپنے لیکچر میں اس بات کا جائزہ لیا تھا کہ جب کوئی ملک کسی دوسرے پر قبضہ کرتا ہے یا کرنے کی کوشش کر رہا ہوتو وہ کیا دہشت گردی کا ہدف زیادہ نہیں بنتا؟

سوال: آپ نے کہا تھا کہ ہم دہشت گردی کو ایک پیشے کے طور پر دیکھ سکتے ہیں جس کا کوئی بھی انتخاب کر سکتا ہے۔ اگر آپ دہشت گردی کو بطور ایک جرم کے لیتے ہیں تو آپ کو چاہیے کہ اس مواد کا مطالعہ کریں جو جرم پر تعلیم کے اثرات سے متعلق موجود ہے جیسا کہ این ریکوموریٹی کے

کام میں دیکھا جاسکتا ہے۔ تعلیم اور جرم میں تعلق کا اگر مطالعہ کیا جائے تو دیکھا جاسکتا ہے کہ جرم تعلیم سے کم ہوتا ہے۔ کیا آپ اب یہ کہیں گے کہ جرم پر مواد اور دہشت گردی کے لٹریچر کے درمیان ایک اختلاف موجود ہے۔

جواب: جرائم پر موجود لٹریچر یہ بات بتاتا ہے کہ جرائم کا تعلق جائیداد یا پیسے وغیرہ سے ہوتا ہے جبکہ دہشت گردی ایسے جرائم سے بہت مختلف ہے۔ میرے نزدیک دہشت گردی کا تعلق سیاسی نظریاتی معاملات سے ہے اور اسے سیاسی اظہار رائے کی غیر مناسب اور بگڑی شکل کہا جاسکتا ہے، میرا نہیں خیال کہ اس شکل کو برداشت کیا جانا چاہیے اور میں ووٹنگ کو جرم سے بہتر ایک بدل قرار دیتا ہوں۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں وہ لوگ جو زیادہ آمدنی والے ہوتے ہیں وہ کم موقع ملنے کے باوجود ووٹنگ میں ضرور حصہ لیتے ہیں تاکہ رائے پر اثر انداز ہوسکیں۔

سوال: میرا سوال ان لوگوں کے بارے میں ہے جو بہت زیادہ تعلیم یافتہ اور معاشی طور پر نمایاں معاشی وسماجی مقام رکھنے کے باوجود دہشت گرد بن جاتے ہیں۔ آپ نے کہا تھا کہ ایسے لوگ عام طور پر شدت پسندی کی حمایت کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔ کیا ایسے لوگ ووٹنگ میں بھی اپنے خیالات کے مطابق حصہ لیتے ہیں؟ اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ کیا یہ بات درست ہے کہ یورپ میں جہاں دائیں بازو سے تعلق رکھنے والی (شدت پسندی کی حد تک) پارٹیاں موجود ہیں، ایسے پڑھے لکھے لوگ ان کے پیچھے ہیں (جو شدت پسند ہوسکتے ہیں)؟

جواب: میں یورپ کے ایسے گروپوں سے واقف نہیں۔ میں یہاں امریکا کی بات کروں گا۔ آپ دیکھیں اگر ان کے ووٹنگ پیٹرن اور رائے جاننے والے سروے وغیرہ کی طرف تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کے ووٹنگ میں حصہ لینے کا بہت کم تعلق اس بات سے ہے کہ وہ کتنا پڑھے ہیں، ان کی آمدنی کتنی ہے اور وہ کتنا ٹیکس دے رہے ہیں۔ امریکا میں بہت زیادہ دائیں بازو اور بائیں بازو والی پارٹیوں میں آپ کو ایسے لوگ ملیں گے جو باقی لوگوں کی نسبت بہت تعلیم یافتہ ہوں گے۔

سوال: **جب آپ تعلیم کے رول کا اور اعلیٰ پیشوں کا ذکر کر رہے تھے تو سامعین میں سے کسی نے مدرسوں اور مذہبی سکولوں کا مسلمان دہشت گردوں کے حوالے سے ذکر کیا تھا۔ کیا اس کے علاوہ اور بھی ایسا کوئی فیکٹر ہے جو دہشت گردی کا باعث بنے یعنی جتنا زیادہ کوئی کسی تعلیمی نظام میں رہے گا اسے زیادہ معلومات ملیں گی اور وہ اسے باقی دنیا کے ساتھ تقابل کے لیے استعمال کرے گا لہٰذا زیادہ دیر اس ماحول میں رہنے والے کے ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے زیادہ امکانات ہوں گے۔**

جواب: آپ کا خیال میری اس بات کی تائید میں ہے: زیادہ پڑھے لکھے لوگ کوئی نہ کوئی رائے رکھتے ہیں جو اکثر شدت پسندی کی جانب مائل ہوتی ہیں۔ میرے خیال میں زیادہ پڑھا لکھا شخص اپنے نظریات کے بارے میں زیادہ پر اعتماد ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اسے لوگ بھی مانیں ایسے شخص کے شدت پسندی کی جانب جانے کے امکانات بلاشبہ زیادہ ہیں۔

(2) دہشت گردی کہاں سے جنم لیتی ہے؟

سوال: **آپ نے 2001ء میں ''نیو یارک ٹائمز'' میں لکھا تھا کہ شہری آزادیاں جہاں نہیں ہوتیں وہاں دہشت گردی جنم لے سکتی ہے۔ آپ اس بارے میں کیا کہیں گے کہ دہشت گردی سے شہری آزادیوں میں کمی بھی آجاتی ہے۔**

جواب: ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دہشت گردی اور شہری آزادی کے درمیان علت اور معلول کا تعلق ساتھ ساتھ چلتا ہے، اگر کوئی ملک دہشت گردی کے خطرے سے دوچار ہو جیسا کہ اس وقت امریکا ہے تو ہوسکتا ہے اس سے نبٹنے کے لیے وہاں پر شہری آزادیوں پر پابندی لگا دی جائے۔ اگر آپ دنیا کے دیگر ممالک کا جائزہ لیں تو آپ دیکھیں گے کہ وہاں پر ایسی آزادیوں پر پابندی کے اسباب اور بھی ہو سکتے ہیں محض دہشت گردی کا خطرہ اس کا باعث نہیں۔ تاہم میں یہ ضرور کہوں گا کہ دہشت گردی شخصی و شہری آزادیوں میں کمی کا باعث بن سکتی ہے، اور اس کا الٹ بھی ہوسکتا ہے۔ اس پر مزید تحقیق ہونی چاہیے۔

سوال: **آپ کے ڈیٹا کے مطابق 1997ء سے 2003ء تک 280 دہشت گردی کے واقعات بھارت میں ہوئے ہیں۔ آپ کے خیال میں ایسا وہاں کیوں ہوا؟ اس کی وجہ سیاسی بے چینی، سیاسی مسائل تھے یا وہاں پر شہری آزادیوں کی کمی سے ایسا ہوا تھا؟**

جواب: میرا خیال ہے کہ ان میں سے زیادہ حملوں کے پیچھے پاکستان کا ہاتھ تھا۔ اب ان واقعات کا تعلق پاکستان کے اندر کی صورتحال سے ہوسکتا ہے، کیونکہ یہ ایسا ملک ہے جہاں پر سیاسی و شہری آزادیاں زیادہ مضبوط اور عام نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھیں کہ یہ دونوں ملک بہت بڑے ہیں۔ اگر ان نتائج کا آپ جائزہ آبادی کے سائز کے حوالے سے لیں تو ان حملوں کی تعداد کم نظر آتی ہے۔

سوال: اگر آپ اپنے ڈیٹا کو پیچھے سے شروع کرتے یعنی 1997ء سے پہلے تو یہ دیکھا جاسکتا تھا کہ دہشت گردی لہروں کی طرح سے چلتی ہے۔ مثلاً آپ ماضی میں اگر جا کر (IRA) کے دہشت گردوں کا مطالعہ کریں یا ارگن نامی یہودی دہشت پسند تنظیم کی کارروائیوں پر نظر ڈالیں جو فلسطین میں 1931ء سے 1949ء تک سرگرم تھی، کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان کا مطالعہ آپ کے ان نتائج کو تبدیل کردے گا جو آپ نے ہمارے سامنے بیان کیے ہیں؟ مجھے یہ لگ رہا ہے کہ آپ کا مطالعہ و تحقیق محدود ہے اور ایک خاص وقت کے لیے ہے جس میں زیادہ تر اسلامی گروپوں کا تذکرہ ہے۔ میرے خیال میں دہشت گردی کی گردش یا چال مسلسل تبدیلی کا شکار رہتی ہے، لہٰذا میرے نزدیک آپ نے خاصا محدود کام کیا ہے۔

جواب: میں نے اپنا ڈیٹا سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ سے لیا ہے، وہ اس لیے کہ یہ ڈیٹا خامیوں کے باوجود خاصا جامع ہے۔ اس سے پہلے کا ڈیٹا اچھے طریقے سے اکٹھا نہیں کیا گیا تھا، اس لیے میں اسے اتنا قابل اعتبار نہیں سمجھتا۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں اپنا ڈیٹا پیچھے کی جانب لے جاؤں تو شاید اس نظریے کو تقویت ملے کہ جی ڈی پی کا تعلق دہشت گردی سے ہے، وہ اس طرح کہ ماضی کے کئی یورپی دہشت گرد گروپ امیر ممالک سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی طرح سے 1997ء سے پہلے مذہب کا عمل دخل دہشت گردی میں بہت کم تھا۔ 1997ء کے بعد کا ڈیٹا یہ دکھا رہا ہے کہ کئی دہشت گردی کے واقعات کا منبع مسلمان ممالک نہیں تھے۔

سوال: کیا آپ کے پاس ایسا ڈیٹا ہے جو بتا سکے کہ ان واقعات میں اب تک کتنی ہلاکتیں ہوئی ہیں یہ معلومات اس ٹیکنالوجی کے بارے میں بتا سکتی ہیں جو دہشت گردوں نے استعمال کی ہوں گی۔ اگر آپ زیادہ فاصلے سے وار کریں تو ایک ہی مرتبہ زیادہ لوگ ہلاک ہوسکتے ہیں، شاید آپ کے ڈیٹا میں موجود رجحانات کا تعلق ٹیکنالوجی میں تبدیلی سے ہے نہ کہ دوسرے عوامل سے۔

جواب: یقیناً ہمارے پاس ایسا ڈیٹا موجود ہے مگر میں اس پر زیادہ توجہ نہیں دیتا کیونکہ اس میں بے ترتیبی کا عنصر نمایاں ہے۔ مثال کے طور پر اگر 1993ء میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ کامیاب ہو جاتا تو ساری عمارت زمین بوس ہو جاتی اور ہزاروں لوگ مرجاتے۔ اس لیے میں یہ کہتا ہوں کہ ہلاکتوں کے بارے میں مکمل درست معلومات دینا بہت مشکل ہے۔ تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ زیادہ جدید ٹیکنالوجی رکھنے والے دہشت گروپ اس میں کامیاب ہو سکتے تھے۔

جہاں تک فاصلے کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ دہشت گرد تنظیم کسی دوسرے ملک سے آپریٹ کر رہی ہے تو وہ ایسی ٹیکنالوجی استعمال کرے گی جس سے زیادہ سے زیادہ نقصان ہو۔ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ڈیٹا سے ظاہر ہو رہا ہے کہ دہشت گرد وقت کے ساتھ ساتھ جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کر رہے ہیں، اب ان کے پاس جدید ٹیکنالوجی موجود ہے۔ جب ہم دہشت گردی کے نتائج کے بارے میں سوچتے ہیں تو ہمارے ذہن میں بہت تباہی کا تصور ہونا چاہیے۔

سوال: کیا آپ دہشت گردی اور نہتے لوگوں کی اس تعریف سے متفق ہیں جو سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے کی ہے۔ کیا آپ اسے مکمل اور جامع مانتے ہیں؟ کیا اس سے اہم عناصر خارج نہیں کیے گئے ہیں؟

جواب: مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں اور نہ ہی اس کے عمل درآمد پر۔ میری تعریف میں فوجی اہداف کا ذکر نہیں کیونکہ میرا کام شہری آبادی پر ہے، سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے غالباً سیاسی وجوہات کی بنا پر اپنی اس تعریف میں فوجی اہداف کو شامل کیا ہے۔ میرا نہیں خیال کہ اس سے کوئی خاص فرق پڑتا ہے میرے خیال میں بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اس تعریف کو غیر مستقل طریقے سے اپلائی کیا جاتا ہے۔ ہمارے پاس دہشت گردی سے متعلق ڈیٹا اپنے اخبارات یا بیرونی ممالک کی اخباری رپورٹوں سے آتا ہے جنہیں ترجمہ کیا گیا ہوتا ہے اب یہ خبریں بھی غیر مستند ہو سکتی ہیں۔ دوسری جانب اگر مقصد خوف وہراس پھیلانا ہے تو دہشت گرد اخباروں میں جگہ چاہیں گے۔ اگر کسی حملے کا اخبارات میں ذکر نہ آئے تو شاید یہ اس کی وجہ یہ ہو کہ اس کا آبادی پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔

سوال: اپنے پہلے لیکچر میں آپ نے بتایا تھا کہ حزب اللہ تنظیم کی ایک سوشل شاخ یا سوشل ونگ بھی ہے یہ اچھی طرح سے اب معلوم ہو چکا ہے کہ کئی ایسی تنظیمیں اپنے اندر ایسے سماجی گروپ رکھتی ہیں اور کئی غریب ممالک میں لوگوں کی مدد میں بھی پیش پیش ہیں۔ کیا آپ ان کے

بارے میں کوئی ثبوت یا شواہد رکھتے ہیں۔ میں چند ایک سے آگاہ ہوں۔ ان کے بارے میں آپ کیا کہیں گے اور کیسے ان کا تجزیہ کریں گے؟

جواب: سان ڈی آگو یونیورسٹی، کیلی فورنیا کے ایلی برمان نے اس سلسلے میں تحقیق کی ہے۔ القاعدہ کا کوئی سوشل ونگ نہیں۔ حماس نے حزب اللہ کی پیروی میں ایسا گروپ بنا رکھا ہے اور وہ مقابلتاً زیادہ کامیاب ہے یہی وجہ ہے کہ انہیں انتخابات میں کامیابی ملتی ہے۔ لہٰذا کوئی یہاں پر کہہ سکتا ہے کہ یہ تنظیمیں وہاں کامیاب رہتی ہیں جہاں پر حکومتیں اپنے عوام کو سہولتیں نہیں دے پاتیں۔ یہ بحث مجھے چاہیے تھا کہ اپنے ماڈل میں شامل کر لیتا، اس کے نتائج بہت دلچسپ ہونے تھے۔

سوال: **دہشت گردی میں تاریخی عناصر کا کیا کردار ہو سکتا ہے اور ہم انہیں کیسے معلوم کر سکتے ہیں؟ آپ نے امپریلزم کا ذکر کیا ہے کیا اور بھی تاریخی عناصر اس کے علاوہ ہیں؟**

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخی واقعات، حادثات اور غلطیاں لوگ یاد رکھتے ہیں۔ کئی دہشت گردی کے واقعات ان کی بازگشت ہیں۔ تاریخ میں کئی تنازعات کا نتیجہ ہم دہشت گردی کی صورت میں دیکھ سکتے ہیں اور کئی دہشت گرد گروپ پرانی رنجشوں کی بنا پر آج بھی میدان میں ہیں۔

سوال: **آپ کا امریکی حکومت کی اس حکمت عملی کے بارے میں کیا خیال ہے جو اس نے دہشت گردی کے خلاف اپنا رکھی ہے اور اس سے ایک خوف کے عنصر نے جنم لے لیا ہے، کیا آپ کے نزدیک یہ بین الاقوامی دہشت گردی کے خلاف مہم کے برعکس نہیں جس کے تحت لوگوں کو اصل صورتحال اور اعداد و شمار سے آگاہ رکھا جاتا ہے؟**

جواب: میں یہ کہوں گا کہ یہ عوام کی ذمہ داری ہے کہ وہ حکومت سے مطالبہ کریں کہ دہشت گردی کے خلاف اس کی جنگ کیسے جاری ہے۔ ہم نے کئی ادارے بنائے ہیں، ہمارے لوگوں کی آزادیاں متاثر ہوئی ہیں، کہیں ان کا الٹا اثر تو نہیں پڑا۔ یہ سب جاننے کا عوام کو حق ہے۔ بش انتظامیہ کو یقین ہے کہ وہ ٹھیک سمت میں ہیں لہٰذا وہ یہ تکلیف گوارا نہیں کر رہے کہ ان کی حکمتِ عملی کہاں تک کامیاب ہے، غربت کے خاتمے کی جانب خاطر خواہ قدم نہیں اٹھایا جا سکا ہے اور نہ ہی دہشت گردی کے اصل اسباب پر خاطر خواہ کام ہوا ہے۔

سوال: آپ کا دہشت گردی کے اثرات کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا دہشت گردی کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اگر اسے میڈیا میں کوریج نہ دی جائے؟ میرا نہیں خیال کہ کوئی ملک دہشت گردی سے آزاد کروایا گیا ہو۔ فلسطین اور شمالی آئرلینڈ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ ایسا لگتا ہے بلکہ دکھائی دیتا ہے کہ دہشت گردی سے بہت زیادہ خوف وہراس پیدا نہیں ہوتا، اگر اس کو بھرپور کوریج دی جائے تب بھی۔ آپ کا ''سی این این اثر'' کے بارے میں کیا خیال ہے' کیا میڈیا میں ان واقعات کا آجانا اور لوگوں کا اس سے متاثر ہو جانا بھی ایک قسم کی دہشت گردی کہی جا سکتی ہے؟

جواب: دہشت گردی کے اثرات پر ایک لمبی چوڑی بحث موجود ہے، میں بھی اپنے تیسرے لیکچر میں اس بارے میں بہت کچھ کہہ چکا ہوں، مختصراً میں پھر کہتا ہوں دہشت گردی اس وقت ہوتی ہے جب کسی شدت پسند گروپ کے پاس اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے بہت کم پر اثر راستے رہ جاتے ہیں۔ اگر کوئی تحریک اتنی مضبوط ہو کہ خانہ جنگی شروع کروا سکے تو وہ ایسا ضرور کرے گی۔ میرے نزدیک دہشت گردی اس وقت بڑھ جاتی ہے جب کوئی دہشت پسند گروپ اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے۔ اسرائیل اور فلسطین کے درمیان اس کی مثال ہے۔ اسرائیل فوجی اعتبار سے بہت مضبوط ہے جبکہ فلسطینی اس پوزیشن میں نہیں کہ ایک بڑی جنگ برداشت کر سکیں۔

- تاریخ میں کئی ایسی مثالیں موجود ہیں جو ہمیں بتاتی ہیں کہ کئی بار دہشت گرد تنظیموں نے اپنے مقاصد حاصل کر لیے تھے یا اس کے نزدیک تک آ گئی تھیں۔ ہم اس سلسلے میں اسرائیل کے قیام کی مثال دے سکتے ہیں۔ مجھے شک ہے کہ مستقبل کا مورخ جب نائن الیون کے بارے میں بات کرے گا تو وہ یہ کہے گا۔
- القاعدہ کی کامیابی ہماری ابتدائی سوچ سے کہیں زیادہ تھی۔ القاعدہ نے 11 ستمبر کا حملہ کر کے امریکا کو عراق میں گھسنے پر مجبور کر دیا، ہمیں اپنی آزادیاں داؤ پر لگانا پڑیں اور ہم دہشت گردی کے زیادہ خطرے سے دوچار ہو گئے۔ میرا خیال ہے کہ اتنی کامیابیاں اُسامہ کے ذہن میں بھی نہیں تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی مدِنظر رہے کہ دہشت گرد کے کئی ایجنڈے ہو سکتے ہیں۔ اگر اپنے لیے اور لوگ حاصل کرنا بھی ایک ایجنڈا ہے تو سی این این اسی میں مدد

دے سکتا ہے، جب دنیا بھر میں لوگ اس کی معرفت اس کے بارے میں جانیں گے۔
میرے نزدیک دہشت گردی ہمیشہ ناکامی سے دوچار نہیں ہوتی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دہشت گردی کا سہارا اس وجہ سے لیا جاتا ہو کہ دہشت پسند گروپ کے پاس کوئی اور راستہ نہ ہو اور کامیابی سے امکانات کم سے کم ہوں۔ یہ نکات شدت پسند تنظیموں کی فیصلہ سازی میں اہم عنصر کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس سے وہ دہشت گردی کو بہ نسبت دوسرے ذرائع کے استعمال کرتی ہیں۔

(3) دہشت گردی سے کیا حاصل ہوتا ہے؟

سوال: **اپنے لیکچر کے آغاز میں آپ نے دہشت گردی کے کسی قوم کی معیشت پر اثرات کا تذکرہ کیا تھا۔ میں یہ سوچتا ہوں کہ کیا اس کا کوئی تعلق ملک کے قرضہ دینے اور لینے سے بھی ہے۔آپ نے جاپان کے کوبے میں آنے والے زلزلے کا ذکر کیا تھا۔لیکن جاپان نے ان دنوں یعنی زلزلے کے بعد بہت زیادہ کرنسی پرنٹ کی تھی، بالکل اسی طرح امریکی حکومت نے بھی کیا تھا جب نائن الیون کے بعد ائیر لائنوں کو بڑے بڑے قرضے دیے گئے تھے۔ جاپان کی حالیہ قرضہ حاصل کرنے کی گنجائش کے حوالے سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ شاید وہ کوبے جیسا زلزلہ اب برداشت نہ کر پائے۔آپ اس تناظر میں کیا کہتے ہیں، قدرتی آفات یا دہشت گردی کیسے کسی ملک کی معیشت کو، خاص کر قرضہ حاصل کرنے کی صلاحیت کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔**

جواب: اس بارے میں ایک مضبوط رائے موجود ہے کہ مونیٹری پالیسی فسکل پالیسی سے زیادہ تیزی سے اپنا ردعمل دکھاتی ہے، یہی وجہ تھی کہ فیڈرل ریزو نے 11 ستمبر کو فنانشل انڈسٹری کو بڑے غور سے مانیٹر کیا تھا۔خوش قسمتی سے کئی اور باتوں کی وجہ سے امریکی فنانشل نظام جلد بحال ہو گیا تھا۔ میرا یہ خیال ہے کہ 11 ستمبر کے بعد حکومت کی مالیاتی ذمہ داری ٹوٹتی نظر آرہی تھی اور حکومت نے ٹیکس میں کٹوتی کم کردی اور اخراجات میں اضافہ کردیا۔اس واقعہ نے صدر امریکا کو بہت مضبوط کردیا تھا اور اس سے امریکی معیشت کو نقصان ہوا تھا۔ یہ بہت ضروری ہے کہ افسران ایسے حالات میں زیادہ ذمہ داری کا مظاہرہ کریں اور ان المناک حادثات کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال نہ کریں۔

سوال: **میں چاہتا ہوں کہ آپ یہاں پر خانہ جنگی اور کسی علاقے میں جاری دہشت گردی کے درمیان فرق کو واضح کریں۔ مثلاً باسک میں جو سپین کے خلاف دہشت گردی کی کارروائیاں کر رہے ہیں وہ اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ ہم خانہ جنگی سے گزر رہے ہیں جبکہ حکومت انہیں دہشت گرد کہتی ہے۔ آپ کیسے اس کی وضاحت کریں گے؟**

جواب: میں نے اپنے خیالات کے اظہار کے دوران کہا تھا کہ دہشت گردی اس وقت ہوتی ہے جب صورتحال ایسی نہ ہو کہ خانہ جنگی چھیڑی جا سکے، یہاں پر ضرورت ہے کہ میں یہ بتاؤں کہ ایک مکمل یا آل۔ آوٹ خانہ جنگی کیا ہوتی ہے خانہ جنگی کی جامع تعریف یہ ہے: کسی ملک میں دو گروہوں کے درمیان ایسا جھگڑا یا تنازع جس کے نتیجے میں سال بھر میں ہزار سے زائد اموات ہو جائیں خانہ جنگی کہلاتا ہے۔ اس تعریف کی رو سے باسک کا علاقہ خانہ جنگی کے زمرے میں نہیں آتا کیونکہ وہاں سال بھر میں اتنی اموات نہیں ہوتیں۔ غزہ کی پٹی اور مغربی کنارا بھی اس تعریف سے باہر ہیں۔ یہاں بھی اتنی اموات نہیں ہوتیں۔

سوال: **آپ نے دہشت گردی کے معاشیات پر اثرات کا ذکر کیا ہے، خاص کر منفی اثرات کا آپ نے تذکرہ کیا ہے، مگر دہشت گردی مثبت اثرات بھی چند لوگوں کے لیے مرتب کرتی ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ آپ کا ان کمپنیوں یا ممالک کے بارے میں کیا خیال ہے جو اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں؟**

جواب: میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ دہشت گردوں کا مقصد ٹارگٹ ملک کی معیشت کو نقصان پہنچانے کے ساتھ ساتھ وہاں کی آبادی اور حکومت کی سیاست اور نفسیات پر اثر انداز ہونا ہے۔ یہ درست ہے کہ ٹارگٹ ملک میں جی ڈی پی پر منفی اثر پڑتا ہے اور معاشی سرگرمیاں کسی دوسرے ملک کی جانب منتقل ہو جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس ملک میں گھریلو صنعتیں فروغ پا جاتی ہیں۔ 11 ستمبر کے واقعے کے بعد ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی جگہ پر بہت ساری سرگرمی دیکھنے کو ملی اور یہ علاقہ رہائش کے لیے بڑی تیزی سے تیار ہونے لگا۔ ظاہر ہے اس سے تعمیراتی اداروں کو بڑا فائدہ ملا تھا۔

سوال: **کیا آپ نے دہشت گردی کے تیل کی صنعت پر اثرات کا مطالعہ کیا ہے۔ آج کل ہمارے ہاں تیل کی قیمت بلند ہوتی رہتی ہیں۔ یہ بہتر ہوگا کہ ہم تیل کی قیمتوں کے اپنی معیشت پر**

اثرات کا مطالعہ کریں۔ آپ کا ترقی یافتہ ممالک میں تیل کی بڑھتی قیمتوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اور آپ نائیجیریا کے بارے میں کیا کہیں گے جہاں انفراسٹرکچر بہت غیر محفوظ ہے؟

جواب: میں نے اس بارے میں ''نیو یارک ٹائمز'' میں ایک آرٹیکل لکھا تھا، جس میں میں نے بتایا تھا کہ تیل کی قیمتوں میں اضافے سے اگلے سالوں کے دوران شاید معاشی ترقی کی رفتار کم ہو جائے۔ مگر معلوم یہ ہوا ہے کہ معیشت نے قیمتوں میں اس اضافے کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ بے شک تیل کی صنعت بہت اہم ہے مگر یہ اب اتنی اہم نہیں رہی جو کچھ پہلے ہوا کرتی تھی۔ میں یہ کہوں گا کہ اب صارفین تیل کی گھٹتی بڑھتی قیمت سے زیادہ متاثر نہیں ہوتے۔

سوال: **اگر آپ خوشی کے تناظر میں دیکھیں تو کسی آفت جیسا کہ 11 ستمبر کا واقعہ، کترینا یا جارج بش کے انتخاب کا کیا اثر لوگوں پر پڑا تھا؟**

جواب: جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں لوگوں میں اپنے آپ کو ڈھالنے کی غیر معمولی صلاحیت ہوتی ہے، دیکھا گیا ہے کہ لوگ جلد ہی اپنے معمولات پر آجاتے ہیں۔ کسی واقعے کے بارے میں جب لوگوں سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ کیا ہوگا تو کہا جاتا ہے کہ بہت برا مگر جب یہ واقعہ گزر جاتا ہے تو یہی لوگ کہتے ہیں یہ اتنا بُرا ابھی نہ تھا۔ جو لوگ صدر بش کو پسند نہیں کرتے وہ ان کی تقاریر سننے اور دیکھنے سے پرہیز کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔

سوال: **آج عراق میں دنیا میں سب سے زیادہ حملے ہو رہے ہیں۔ ہر ہفتے بم دھماکوں میں کئی لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ آپ کی تعریف کے عین مطابق وہاں سال بھر میں ہزار سے زیادہ بلکہ کہیں زیادہ اموات ہو رہی ہیں لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ عراق میں خانہ جنگی ہو رہی ہے۔**

جواب: میں عراق میں امریکا کے جا گھسنے کو ایک غلطی کہتا ہوں۔ میں اسے 11 ستمبر کا ایک غیر منطقی ردعمل کہتا ہوں۔ آج اس کے نتیجے میں ہزاروں لوگ ہلاک ہو رہے ہیں، عراق میں متحرک گروپ اتحادی فوج پر حملے کر رہے ہیں اس کے لیے دہشت گردی کا سہارا لیا جا رہا ہے، میں میرے نزدیک یہ صورتحال بہت پیچیدہ ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہم ویت نام والی غلطیاں عراق میں دوہرا رہے ہیں، ہمیں آج بالکل معلوم نہیں کہ کون اس شورش کے پیچھے ہے میرے خیال میں یہ بہت سے مختلف عناصر کا مجموعہ ہے۔ میں بہرحال عراق کی صورتحال کو خانہ جنگی ہی کہوں گا۔

سوال: کیا آپ دہشت گردی کا کاسٹ بینی فٹ (Cost - benefit) تجزیہ کر سکتے ہیں؟

جواب: دہشت گردی کے لیے یہ تجزیہ بتاتا ہے کہ دہشت گردی سے ہمیشہ نقصان ٹارگٹ ملک کو ہوتا ہے مثلاً القاعدہ نے امریکی جنگی جہاز Uss Cole پر کشتی سے حملہ کیا تو جواب میں امریکا نے افغانستان میں لاکھوں ڈالر کے میزائلوں سے محض چند خیموں کو نشانہ بنایا تھا۔ لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دہشت گرد تنظیمیں بہت کم انویسٹ کر کے بہت کچھ بدلے میں حاصل کرتی ہیں۔

سوال: آپ کی رائے میں دہشت گردی کا فارن انویسٹمنٹ پر کیا فرق پڑتا ہے خاص کر اس انویسٹمنٹ پر جو کم ترقی یافتہ ممالک میں کی جاتی ہے؟

جواب: اس بارے میں میں صرف ایک سٹڈی سے آگاہ ہوں جو 2005ء میں البرٹو ابیڈا اور ہاویئر گارڈیزابل نے کی تھی۔ یہ ایک خاصا مشکل معاملہ ہے کیونکہ بیرونی سرمایے کی آمد کا کئی عناصر پر انحصار ہوتا ہے۔ ان دونوں ماہرین نے اپنے کام سے دکھایا ہے کہ دہشت گردی کا اثر اس آمد پر خاصا ہو سکتا ہے۔

میرے نزدیک اس پر مزید تحقیق کی گنجائش موجود ہے۔

حواشی

تعارف:

-1 آرمی میچ نے ویسری پالمے کا اصل نام رابرٹ کورک بعد میں بتا دیا تھا۔ دوسرے لیکچر میں میں نے ان کے اس طریقے کا ذکر کیا ہے جس سے انہوں نے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی رپورٹ کو استعمال کیا تھا۔

-2 نیشنل بیورو برائے اکنامک کی بزنس ڈیٹا کمیٹی کے مطابق مراجعت کا آغاز مارچ 2001ء میں ہوا تھا اور یہ 10 نومبر 2001ء میں ختم ہو گئی تھی۔

لیکچر نمبر 1

-1 یہاں یہ مطلب نہ لیا جائے کہ ملکی دہشت گردی کا وجود نہیں ہے۔ تاریخ میں کئی قومیں دہشت گردی میں ملوث رہی ہیں۔ لیکن اسے ماننے کے لیے دوسرے طریقے اور ڈیٹا چاہیے۔

-2 معاشیات میں سپلائی فنکشن کسی شخص کی اس مرضی کو ظاہر کرتا ہے جس کے تحت وہ اپنی خدمات یا سامان مختلف حالات میں پیش کرتا ہے۔

-3 یہاں ہر ایک پریشان کن بات یہ ہے کہ میڈیا میں تمام رپورٹیں درست نہیں ہوتیں۔

-4 دو اور ماہرین ڈیگو گیمبٹا اور سٹیفن ہرٹوگ نے 2006ء میں اپنی سٹڈی کے دوران دیکھا کہ انجینئر اسلامی شدت پسند تنظیموں میں بھی بہت زیادہ دکھائے جاتے ہیں۔

لیکچر نمبر 2

-1 کولن پاول نے 13 جون 2004ء کو اس پروگرام ''میٹ دی پریس'' اس تنظیم کو TTIC یعنی ٹیررسٹ تھریٹ انفارمیشن سنٹر کے نام سے متعارف کروایا تھا۔

2- یہ مفروضہ تمام ممالک پر لاگو کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ کئی مصری جو عراق میں پکڑے گئے تھے وہاں مزدوری کے لیے آئے تھے اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ کئی حملہ آوروں کے پاس جعلی کاغذات ہوں۔

3- اس نتیجے کے بعد جنوری 2007ء میں ڈی کلاسیفائیڈ معلومات کے نام پر تشہیر کی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ عراق کے پڑوسی بے شک اس کے حالات سے متاثر ہیں مگر ان کی لچسپی ہی نظر آتی ہے۔

4- امریکا کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے مطابق (2004ء) بیرونی حملہ آور 20000 یا اس سے زیادہ کا 4 یا 10 فیصد تک ہیں۔

5- بنگلہ دیش، بھوٹان، بھارت، نیپال، پاکستان اور سری لنکا ایشیاء سے شامل کیے گئے تھے، مکمل نمونے میں 81 ممالک تھے جو بعد میں کم ہو کر 76 رہ گئے کیونکہ ان کے لیے ڈیٹا مذہب اور شہری آزادیوں پر موجود نہیں تھا۔ اس میں سے 26 ممالک کے لوگ پکڑے گئے تھے اور ان کا ڈیٹا اس میں موجود ہے۔

لیکچر نمبر 3

6- کیرولی اور مارٹل نے اپنے اس ماڈل میں سے ایئر لائن کمپنیوں کو نکال دیا ہے۔ ان کمپنیوں نے شیئر 11 ستمبر کے بعد بڑی تیزی سے گرے تھے۔

7- ان نتائج کو تمبا کو نوشی کے بارے میں سوالات سے الگ رکھا گیا تھا۔